بنگال

کے

مشہور

مصنّف۔ سوشل ریفارمر تعلیم پھیلانیوالے اور ہمدرد انسان

پنڈت ایشور چندر ودیّا ساگر

کا

جیون چرتّر

از

مادھو رام بی۔ اے

وکیل انبالہ

سنہ ۱۹۰۱ء

رفاہِ عام سٹیم پریس لاہور میں چھاپا گیا

پہلا ایڈیشن ایک ہزار جلد — قیمت فی جلد ۱۰؍

میں

اِس چھوٹی سی کتاب

کو

اپنے فراخ دل۔ مہربان اور بزرگ دوست

لالہ مُرلی دھر وکیل انبالہ

کی

خدمت میں بڑے ادب سے پیش کرتا ہُوں

مادھورام

دیباچہ

مجھے شروع سے بڑے بڑے آدمیوں کے جیون چرتر پڑھنے کا شوق رہا ہے کیونکہ نیک صحبت کی طرح اس قسم کا مطالعہ انسان کی زندگی پر نیک اثر ڈالتا ہے۔ انگریزی زبان میں تو مہاں پرشوں کی نسبت بیشمار کتابیں موجود ہیں انگریز نوجوان اِن کتابوں کو پڑھتے ہیں اور اپنی زندگی کے سُدھار کے لئے ان سے روشنی حاصل کرتے ہیں مگر ہماری زبان میں ایسی کتابیں بہت کم ہیں۔ سنہ ۱۸۸۲ و ۸۳ء میں لالہ نتھورام نند مرحوم اڈیٹر اخبار کوہ نور نے اپنے اُردو رسالہ ریفارمر میں چند مہاں پُرشوں کے مختصر حالات لکھے تھے۔ پھر اُنہوں نے راجہ رام موہن رائے کی مفصّل سوانح عمری لکھّی۔ ان کے بعد ہمارے اُلوالعزم بھائی لالہ لاجپت رائے وکیل نے سوامی دیانند سرسوتی۔ سیبواجی۔ گیری بالڈی اور میزینی کے جیون چرتر لکھ کر پنجابی نوجوانوں پر بڑا احسان کیا ہے۔ انہی دنوں میں لالہ رگھوناتھ سہائے نے بابو کیشب چندر سین کی سوانح عمری بہت عمدگی

سے لکھی ہے۔ موجودہ زمانہ کے بڑے آدمیوں میں سے بابو کیشب چندر سین اور سوامی دیانند سرسوتی پنجابیوں میں اچھی طرح مشہور ہیں کیونکہ یہ دونو صاحب پنجاب میں خود آچکے ہیں اور اُن کے ہم خیال لوگ یہاں موجود ہیں۔ پنڈت ایشورچندر نہ کسی مذہب کے پرچارک تھے اور نہ کسی نئے مذہبی فرقہ سے ان کا تعلّق تھا وہ بنگال سے باہر سوائے بنارس کے اور کہیں نہیں گئے اور اُن کی زندگی کے واقعات بہت عرصہ بنگالی تحریر میں بند رہے۔ اسلئے بنگال سے باہر ان کے حالات کا اچھی طرح معلوم ہونا مشکل تھا۔ قریباً چار سال ہوئے جب بابو سری چرن چکرورتی نے ان کی سوانح عمری انگریزی زبان میں لکھی تو بنگال سے باہر بھی ان کی فضیلت کی دھاک پہنچی۔ میں نے بھی اس انگریزی کتاب کو پڑھا اور ارادہ کیا کہ اس عظیم الشان شخص کی زندگی کے حالات اپنے پنجابی بھائیوں کو سناؤں۔ مجھے افسوس ہے کہ طاعون اور دیگر وجوہات نے مجھے کلکتہ جانے نہ دیا اس لئے جو واقعات اس کتاب میں درج ہیں ان ودیاساگر کی بنگالی سوانح عمری کا جو بابو چنڈی چرن بنرجی اور ودیاساگر کے چھوٹے بھائی پنڈت شمبوچندر ودیارتن نے جدا جدا لکھی ہے اپنے بنگالی دوستوں سے ترجمہ سن کر اور بابو سری چرن چکرورتی کی کتاب کو خود پڑھ کر درج کئے ہیں ان تینوں مصنفوں کا میں تہ دل سے مشکور ہوں۔ میں نے بہت کوشش کی کہ آجکل کے مشہور بنگالی صاحبوں سے ودیاساگر کے حالات دریافت کروں مگر ناکامیاب ہوا۔ بڑے بڑے آدمیوں سے مایوس ہو کر میں نے بابو راج کرشن بنرجی اور بابو اماچرن گھوس کو خط لکھے۔ بابو راج کرشن بنرجی ودیاساگر کے دوست اور پریزیڈنسی کالج کلکتہ میں سنسکرت کے اسٹنٹ

پروفیسر تھے اب پنشن پاتے ہیں۔ بابو اماچرن گھوس بیر سنگھ ہیں ودیاساگر کے مدرسہ کے ہیڈ ماسٹر تھے اور اب میٹراپالی ٹن سکول میں ٹیچر ہیں۔ اِن دونو صاحبوں نے ودیاساگر کو بڑے ادب سے یاد کیا اور اُن کے متعلق میرے سوالات کا مفصل جواب دیا۔ میں ان کا بھی بڑا ممنون ہوں۔ ودیاساگر کے بھائی پنڈت شمبھوچندر نے بھی بڑی مہربانی سے خط لکھ کر مجھے چند ضروری واقعات سے آگاہی بخشی۔ اب یہ چھوٹی سی کتاب پبلک کی نذر ہے امید ہے کہ اس کے پڑھنے والے میری طرز تحریر کو نظر انداز کر کے ودیاساگر کے کارناموں کے سامنے سر جُھکائینگے اور اُن کی نیک مثال سے سبق حاصل کر کے اپنے ہموطنوں کی بہبودی کے لئے حسب توفیق کوشش کرینگے ؂

انبالہ

مادھورام

پیدائش اور بچپن

بنگال کے ضلع مدناپور میں ایک چھوٹا سا گاؤں بیر سنگھ نامی ہے۔
اُنیسویں صدی کے شروع میں ٹھاکرداس بنرجی ایک غریب نوجوان برہمن
اپنے ماں باپ سمیت وہاں رہتا تھا۔ اُس زمانے میں انگریزی تعلیم کا بڑے
بڑے شہروں میں بھی کچھ انتظام نہ تھا چھوٹے دیہات کا تو کیا ذکر ہے۔ اس
وجہ سے ٹھاکرداس بنرجی کی تعلیم بہت کم تھی۔ شروع شروع میں اُس کو دو
روپیہ ماہوار کی نوکری ملی کچھ عرصہ بعد پانچ روپیہ مہینہ ہوگیا آخرکار آٹھ روپیہ
ماہوار پر کلکتہ میں ایک دوکان پر وہ نوکر ہوا اُس وقت ٹھاکرداس کی عمر ۲۴
سال کی تھی مفلسی کی وجہ سے اُس کی شادی بھی نہیں ہوئی تھی اب بھگوتی
دیوی سے اُس کی شادی ہوگئی۔ ٹھاکرداس بڑا مستقل مزاج محنت کش اور
حوصلہ والا آدمی تھا۔ بھگوتی دیوی فیاضی اور دیا کا غیر معمولی نمونہ تھی دوسروں
کو خوش دیکھ کر خوش ہوتی تھی اُن کو دُکھی دیکھ کر آپ دُکھی ہوتی تھی۔ اُس کا دِل
یہی چاہتا تھا کہ سب لوگ فارغ البال اور خوش رہیں اور جہاں تک اُس سے
ہوتا تھا وہ اوروں کی مدد کرتی تھی۔ بھگوتی دیوی کی نیک نیتی اس وجہ سے بھی
غیر معمولی معلوم دیتی ہے کہ ہمارے ملک میں صدیوں کی جہالت سے لوگوں

کے خیالات میں بڑا تنزل آگیا ہے۔ ہم کو بہت استری اور پرش ایسے ملتے ہیں کہ جو دوسروں کی سہائتا کرنا تو درکنار اُن کو کھاتا پیتا بھی نہیں دیکھ سکتے اگر اُن کے کسی ملنے والے کی ترقی ہوتی ہے تو اُن کم بختوں کے آگ لگ جاتی ہے۔ اگر کسی پڑوسی کے بیٹا پیدا ہوتا ہے تو اُن کا تنگ دل خاک ہو جاتا ہے بجائے اس کے کہ ایشور سے اپنے لئے برکت مانگیں وہ دوسروں کی اچھی حالت دیکھ کر اندر ہی اندر کڑھتے ہیں اور بجائے اپنی زندگی سُدھارنے کے دوسروں کو بُری حالت میں دیکھنا چاہتے ہیں ان باتوں کو مدنظر رکھ کر ہمیں ماننا پڑیگا کہ بھگوتی دیوی میں ایک غیر معمولی دیا بھاؤ تھا۔ بھگوتی دیوی جیسی دیالو ماں اور ٹھاکر داس جیسے مستقل مزاج باپ کے ہاں بارہ[۱۲] اسوج دن منگلوار کو سمت ۱۸۷۷ مطابق سنہ ۱۸۲۰ء میں ایشور چندر پیدا ہوئے۔ ماں کی دیالتا اور باپ کی مستقل مزاجی کا اجتماع اِس مہاں پُرش کی زندگی میں جو جو رنگ لایا وہ آگے چل کر معلوم ہوگا۔ سُنتے ہیں کہ جب ایشور چندر اپنی ماتا کے گربھ میں تھے تو وہ بالکل دیوانہ ہوگئی تھی ایک جوتشی نے اُن کی ماں کی جنم پتری دیکھ کر کہا کہ اس کے گربھ میں ایک مہاں پرش ہے جب تک وہ گربھ میں ہے اُس کے تیج سے اُس کی ماں کو تکلیف رہیگی اُس کی پیدایش کے بعد وہ بھلی چنگی ہو جاویگی۔ معلوم نہیں جوتشی کی یہ رائے کہاں تک ٹھیک ہے میں نے ڈاکٹروں سے بھی دریافت کیا وہ اس بات کی تائید نہیں کرتے کہ نیک یا بد بچہ پیٹ میں ہونے سے کوئی عورت دیوانہ ہو سکتی ہے۔

ایشور چندر کا دادا رام جے بنرجی اُن دنوں میں تیرتھ جاترا کرتا پھر رہا تھا خواب میں ایک غیب کی آواز نے اُس کو کہا کہ تو دیس بدیس کیوں مارا پھرتا

ہے اپنے گھر واپس جا تیرے خاندان میں ایک شور بیر بچہ پیدا ہوا ہے
وہ تیرے کُل کے نام کو روشن کریگا اور بنی نوع انسان کو آرام دیگا۔ ایشور چندر
کے پیدا ہونے کے بعد اُن کے گھر میں قدرے فارغ البالی ہوگئی اُن کے
باپ کو آٹھ روپیہ سے دس روپیہ ماہوار تنخواہ ملنے لگی۔ چونکہ وہ اپنے باپ
کے پہلے ہی بیٹے تھے اس لئے ایشور چندر کے والدین انکو بہت پیار کرتے
تھے چھوٹی عمر میں ایشور چندر بڑے کھلاڑی اور شوخ تھے۔ تمام محلہ اُن کے
ہاتھ سے تنگ تھا۔ ساتھ ہی طبیعت کے بڑے ضدی تھے کیا مجال کہ جسطرح
کوئی کسی کام کو کہے اُسی طرح کردیں ہمیشہ اُلٹے ہی چلتے تھے باپ نے بہتیرا
مارا پیٹا مگر ضد کہاں جائے بعض اوقات اُن سے اگر کوئی کام کرانا ہوتا تھا
تو اُن سے کہتے تھے کہ فلاں کام مت کرنا۔ ممانعت سُن کر وہ ضرور ہی اُس
کام کو کرتے تھے۔ چھوٹی عمر میں اُن کی ضد سے اُن کے ماں باپ بہت سی
دفعہ نہایت دق ہوتے ہونگے مگر جب بڑے ہوئے تو اُس ضد نے اُن کو
ایسا مستقل مزاج بارعب اور آن والا آدمی بنایا کہ سرکاری ملازمت کے
زمانہ میں اُنھوں نے بڑے بڑے سرکاری افسروں کا مُنہ پھیر دیا اور بدھوا
بواہ کے کام میں باوجود لوگوں کی سخت مخالفت کے وہ اپنے ارادے سے
بالکل نہ ہٹے ✣

پانچویں برس کے ختم ہونے پر ان کو پاٹ شالہ میں بٹھایا گیا اور پھر
تھوڑے عرصہ کے بعد اُن کو کالی کانت چٹرجی کے سپرد کیا گیا۔ ایشور چندر
ایک غیر معمولی شاگرد تھے۔ کالی کانت اُس وقت ایک غیر معمولی اُستاد
تھا وہ ایشور چندر کو اپنے بیٹے کی طرح پیار کرتا تھا دونوں میں گہری محبت

ہوگئی۔ کالی کانت اپنے شاگرد کی ذہانت دیکھ کر حیران ہوتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ لڑکا بڑا ہوکر ضرور مہاں پُرش ہوگا شاگرد پیچھے سے مہاں پُرش ہوا اور اپنے اُستاد کو محبت سے یاد کرتا رہا اور موقعہ بہ موقعہ اُس کی مدد بھی کی۔

ایشور چندر نے تین برس میں کالی کانت کے پاس اتنا علم حاصل کرلیا جو اُس وقت پاٹ شالہ میں کسی لڑکے کو نصیب نہیں ہوتا تھا۔ کالی کانت چاہتا تھا کہ ایشور چندر جیسے ذہین لڑکے کو ضرور کلکتہ میں اعلےٰ تعلیم کے لئے بھیجنا چاہئے۔ اُس وقت ٹھاکر داس کو کلکتہ میں دس ۱۰ روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی تھی جب ایشور چندر کو نواں ۹ سال شروع ہوا تو گھر کے صلاح مشورہ کے بعد کالی کانت اور ٹھاکر داس اُنہیں ساتھ لے کر کلکتہ کو روانہ ہوئے باون ۵۲ میل کا سفر تینوں نے پیدل طے کیا ایشور چندر راستے میں خوشی خوشی چل رہے تھے اور نئی دُنیا کو دیکھ کر حیران ہوتے تھے۔ ایک جگہ میل کا پتھر آیا اُنہوں نے اپنے باپ سے پوچھا کہ یہ چکّی جیسی چیز کیا ہے ٹھاکر داس نے کہا کہ یہ چکّی نہیں اِس پتھّر پر شہروں کا فاصلہ لکھّا ہوا ہے۔ کلکتہ پہنچ کر ایک دن ٹھاکر داس دوکان پر حساب کی میزان لگا رہا تھا ایشور چندر پاس بیٹھے تھے اُنہوں نے کہا کہ اگر مجھے رقمیں بتا دو تو میں جوڑ دونگا ٹھاکر داس نے کہا کہ تم انگریزی ہندسے نہیں جانتے میزان کس طرح لگاؤگے اُنہوں نے جواب دیا کہ راستے میں میل کے پتّھروں پر جو ہندسے لکھے ہوئے تھے اُن کو دیکھ کر انگریزی ہندسے سیکھ گیا ہوں یہ بات سُن کر اُن کو رقمیں بتائی گئیں اور اُنہوں نے جھٹ سب کی میزان لگادی۔

کلکتہ اور طالب علمی کا زمانہ

ٹھاکر داس کی اپنی تعلیم تو بہت کم تھی مگر وہ چاہتا تھا کہ اُس کا بیٹا اعلیٰ تعلیم حاصل کرے اس لئے کلکتہ میں آکر پہلے پہل تو یہ صلاح ہوئی کہ ایشور چندر کو ہندو کالج میں داخل کیا جائے کیونکہ وہاں انگریزی بھی پڑھائی جاتی تھی۔ مگر وہاں پانچ روپیہ ماہوار فیس تھی۔ ٹھاکر داس بھی ارادے کا پکا تھا اُس نے کہا کہ میں پانچ روپیہ تو لڑکے کی فیس میں دے دیا کرونگا اور باقی پانچ روپیہ میں اپنا گذارہ کرونگا مگر بعد میں سب کی یہی رائے ہوئی کہ ایشور چندر کو سنسکرت کالج میں پڑھایا جائے۔ یکم جون ۱۸۲۹ء کو ایشور چندر سنسکرت کالج میں ویاکرن کی پہلی جماعت میں داخل ہوئے۔ ششماہی امتحان کا نتیجہ ایسا اچھا رہا کہ اُن کو پانچ روپیہ ماہوار وظیفہ ملنے لگا۔ سالانہ امتحان میں بھی وہ اپنی جماعت میں اول رہے۔ تین سال میں اُنہوں نے ویاکرن ختم کیا اور سالانہ امتحانوں میں اول نکلتے رہے۔ جب وہ بارہ برس کے ہوئے تو کاب شاستر جس کو انگریزی میں لٹریچر کہتے ہیں شروع کرنے کا وقت آیا۔ پروفیسر جیگوپال ترک النکار نے ان کو ایسی چھوٹی عمر میں لٹریچر پڑھانے سے انکار کر دیا ایشور چندر نے کہا کہ اگر مجھے لٹریچر نہیں پڑھایا جائیگا تو میں کالج چھوڑ دونگا آپ میرا امتحان لے کر دیکھ لیں کہ میں کاب شاستر سمجھ سکتا ہوں یا نہیں پروفیسر نے ان کو بھاٹی کوئی کے چند شلوک ترجمہ کے لئے دئے اُنہوں نے عمدہ طرح سے ترجمہ کر دیا پروفیسر حیران ہو گیا اور خوشی سے کاب پڑھانے لگا۔ پہلے سال میں اُنہوں نے

رگھوبنس۔ کمار سمبھو۔ راگھو پانڈو اور کچھ حصہ امر کوش اوی وہان کا پڑھا۔ اور بھاٹی کوی کے پانچسو شلوک حفظ یاد کئے۔ سالانہ امتحان میں اول انعام ان کو ملا۔ دوسرے سال اُنہوں نے ماگھ۔ بھارَوی۔ میگھدوت۔ شکُنتلا۔ وِکرم اُروسی۔ اوترچرت۔ دس کمار چرت۔ کادمبری۔ مدرا راکشش وغیرہ کتابیں پڑھیں اور سالانہ امتحان میں اوّل انعام حاصل کیا ایسی چھوٹی عمر میں اُن کا اِن کتابوں کو پڑھنا ایک غیر معمولی بات تھی مگر وہ نرے کتابی کیڑے ہی نہ تھے سنسکرت کو اُس عمر میں وہ ایسی صفائی کے ساتھ لکھتے اور بولتے تھے جیسے کہ ۱۳-۱۴ برس کی عمر کا بنگالی لڑکا اپنی مادری زبان بولتا ہے۔ پندرہ برس کی عمر میں اُنہوں نے النکار شاستر۔ ساہت درپن اور ایسے ہی اور بہت بڑے بڑے گرنتھ پڑھے۔ ساتھ ہی وہ ان کتابوں کے متعلق تارا کانت ودیا ساگر تارا ناتھ ترک واچسپتی جیسے بڑے پنڈتوں کے ساتھ بحث کیا کرتے تھے۔ اُس وقت اُن کو آٹھ روپیہ ماہوار کا وظیفہ ملا۔ اگرچہ اُن کا ذہن بڑا تیز تھا اور اُن کی یادداشت بھی بڑی اچھی تھی مگر اُن کا پتا ٹھاکرداس ان کی پڑھائی میں بڑا ساعی تھا وہ ایشور چندر کو بہت مارتا پیٹتا تھا اور جب رات کو دفتر سے آکر اپنے بیٹے کو سویا ہوا پاتا تو آگ بگولہ ہو جاتا تھا باپ کے ڈر کے مارے ایشور چندر اپنی آنکھوں کو تیل لگا لیا کرتے تھے تاکہ اُس کے آنے سے پہلے اُنہیں نیند نہ آجاوے۔ یہ حال تو اُن کی دماغی محنت کا تھا۔ ٹھاکرداس کی تنخواہ تھوڑی تھی مگر اُس کو کلکتہ اور بیرسنگھ دونو جگہ کا خرچ اُٹھانا پڑتا تھا وہ کلکتہ میں کوئی نوکر نہ رکھ سکتا تھا۔ ایشور چندر کا چھوٹا بھائی دینا بندھو بھی

تعلیم کے لئے کلکتہ آگیا ایشور چندر صبح ہی اُٹھ کر گنگا اشنان کے لئے جاتے تھے اور واپس آکر برتن مانجتے چوکا لگاتے اور روٹی پکاتے تھے بعض اوقات اُن کو روٹی ملتی تھی بعض اوقات نہیں ملتی تھی کئی دفعہ سبزی نہ ملنے کی وجہ سے نمک سے ہی روٹی کھاتے تھے۔ کئی دفعہ دھیلے کے چنے اور دھیلے کے بتاشے پانی میں ملا کر کھا لیتے تھے کبھی ایک دن روٹی پکا لیتے تھے اور دو دن کھا لیا کرتے تھے۔ ہم حیران ہیں کہ جس شخص کو پرماتما نے بعد میں لاکھوں روپیوں کا مالک بنایا اور سیکڑوں آدمیوں کو اُس کے ذریعہ سے فیض پہنچایا اُس نے اُس شخص کو چھوٹی عمر میں اتنی تکلیف کیوں دی۔ اگر غور سے سوچیں تو اِس معاملہ میں ایشور پرماتما کی بڑی حکمت معلوم ہوتی ہے۔ ایشور چندر کا برہم چرج اُن کی آئندہ زندگی کے لئے نہایت ضروری تھا وہ ان تکلیفوں کو جھیل کر دنیا کے غریبوں کی مصیبت کو اچھی طرح سمجھنے لگ گئے چھوٹی عمر کے افلاس نے اُن کے دل میں اچھی طرح سے اس بات کو بٹھا دیا کہ روپیہ کے بغیر اچھی تعلیم حاصل نہیں ہو سکتی روپیہ کے بغیر روٹی اور کپڑا میسر نہیں آتا اور روٹی کپڑے اور تعلیم کے بغیر دنیا میں بڑا دُکھ ہے۔ ایشور چندر کے وظیفہ سے ٹھاکر داس کو مدد ملتی تھی مگر اُن دنوں میں بھی یہ فیاض لڑکا اپنے وظیفے میں سے اور لڑکوں کو مدد دئے بغیر نہیں رہتا تھا۔ ان کی ذہانت کو دیکھ کر سنسکرت کالج کے پرنسپل نے اُن کو جج پنڈت کے امتحان میں شامل ہونے کی اجازت دلوائی اُس زمانہ میں ضلع کی عدالتوں میں دھرم شاستر کے اصول بتانے کے لئے سرکار کی طرف سے ایک پنڈت ہوتا تھا اُس کو جج پنڈت کہتے تھے۔ جج

پنڈت کا امتحان بڑا سخت تھا اچھے اچھے لائق آدمی دو سال میں اُس امتحان
کے لئے تیار ہوتے تھے کیونکہ امتحان کے لئے نیائے شاستر - درشن - اور
سمرتی کے بڑے بڑے گرنتھ پڑھنے پڑتے تھے - ایشور چندر نے صرف چھ ماہ
میں تیاری کی اور سترہ سال کی عمر میں اِس سخت امتحان کو پاس کر کے
اوّل درجہ کے جج پنڈت کا سرٹیفکٹ حاصل کیا - امتحان پاس کرنے کے
بعد شہر کملا کے جج پنڈت کا عہدہ اُن کی نذر کیا گیا مگر اُن کے باپ نے
اُن کو گھر سے دور بھیجنے سے انکار کر دیا - پھر اُنہوں نے سنسکرت کالج میں
ویدانت اور درشن شاستروں کا مطالعہ کیا - اُس وقت شاستر ارتھ کرنے
میں ان کو بڑی مہارت تھی اُن کی بحث سُن کر شمبھو چندر واچسپتی کہا کرتے
تھے کہ آپ تو ایشور ہیں - ۱۸۳۹ء میں ان کو سنو روپیہ انعام سنسکرت نثر
میں اور پچاس روپیہ سنسکرت نظم میں سب سے عمدہ مضمون لکھنے کے
صلہ میں ملا - سنسکرت زبان سے ان کو خاص اُنس تھا وہ ہمیشہ ایسی کتابوں
کی تلاش میں رہتے تھے جو بازار میں دستیاب نہیں ہوتی تھیں ایسی کتابوں
کو یا تو خرید لیتے تھے یا اپنے ہاتھ سے اُن کی نقل کر لیتے تھے اِس طرح اُن کا
دستخط اچھا ہو گیا اُن کی لیاقت بڑھ گئی اور تحریر میں بھی اُن کو بڑی مہارت
ہو گئی - اس وقت کی مشق سے تمام عمر اُن کو مضامین لکھنے میں سہولیت رہی
سنسکرت کالج میں انگریزی نہیں پڑھائی جاتی تھی صرف سنسکرت کی ہی تعلیم
سے ایشور چندر اُس وقت ایسے ہوشیار معاملہ فہم اور فراخ دل تھے کہ انگریزی
داں لوگ ان کی بزرگی کے سامنے حیران تھے - اُن کے استاد جن میں
جے نرائن ترک پنچ آنند جیسے وِدوان شامل تھے اُن کی لیاقت سے

بڑے ہی خوش تھے جب وہ کالج کی تعلیم ختم کر چکے تو کالج کی طرف سے
ان کو ودّیا ساگر کا اعلےٰ اور قابل فخر خطاب عطا ہوا۔

سرکاری ملازمت

۱۸۳۵ء میں ودیا ساگر کی شادی دینومی دیوی سے ہو گئی تھی۔ علاوہ ازیں
اُن کے بھائیوں کا خرچ بھی بڑھ رہا تھا۔ گھر کا خرچ چلانے کے لئے ۱۸۴۱ء
میں ودیا ساگر نے فورٹ ولیم کالج میں پچاس روپیہ ماہوار پر ہیڈ پنڈت ہونا
منظور کیا۔ وہاں وہ انگریزوں کو بنگالی اور سنسکرت پڑھایا کرتے تھے اُس وقت
ودیا ساگر جیسا کہ اوپر ذکر ہوا صرف سنسکرت ہی جانتے تھے۔ فورٹ ولیم کالج
میں ان کو انگریزی جاننے کی ضرورت معلوم ہوئی کیونکہ انگریزوں سے بات
چیت کرنے کے لئے انگریزی جاننا ضروری اور مناسب تھا۔ دیس ہتیشی
بابو سرندرو ناتھ بنرجی کے پتا بابو درگا چرن بنرجی اُن دنوں میں ان کے
دوست تھے انہوں نے ودیا ساگر کو انگریزی سیکھنے میں بڑی مدد دی۔ بابو
درگا چرن بنرجی کی انگریزی لیاقت کے آدمی اُس زمانہ میں بنگال کے
اندر تھوڑے تھے اُن کی سہائتا اور اپنی محنت سے ودیا ساگر نے تھوڑے
ہی عرصہ میں انگریزی نوشت وخواند میں ایسی لیاقت پیدا کر لی جیسی آجکل
بی اے پاس کردہ طالب علموں کی ہوتی ہے۔ فورٹ ولیم کالج میں نوکر ہوتے
ہی ودیا ساگر نے اپنے پتا سے کہا کہ اب آپ نوکری چھوڑ دیجئے۔ وہ بیس
روپیہ ماہوار تو اپنے پتا کو دینے لگے اور باقی تیس روپیہ ماہوار میں اپنا اور

اپنے دو سگے بھائیوں اور پانچ چچا زاد بھائیوں اور نوکروں کا گذارہ کرتے تھے۔ رابرٹ کسٹ صاحب جو پنجاب میں اعلےٰ عہدہ پر رہ چکے ہیں شروع شروع میں ودّیا ساگر کے شاگرد تھے اُنہوں نے پنڈت جی کو دو سو روپیہ کا انعام ایک سنسکرت شلوک بنانے پر دیا ودّیا ساگر نے اُس میں سے پچاس روپئے سنسکرت کالج میں بطور انعام دے دئے۔

ودّیا ساگر ہمیشہ گر بہ کشتن بروز اول کے اصول پر کام کرتے تھے۔ فورٹ ولیم کالج میں انکوسول سروس پاس کردہ انگریزوں کا ہندی و بنگالی میں امتحان لینا پڑتا تھا۔ مارشل صاحب منیجر کالج نے اُن سے کہا کہ آپ امتحان میں نرمی کیا کریں کیونکہ ناکامیاب ہونے سے امتحان دینے والوں کا بڑا نقصان ہوتا ہے ودیا ساگر نے فوراً انکار کر دیا اور پھر کبھی مارشل صاحب نے ایسی نامناسب سفارش اُن سے نہ کی۔ ۱۸۴۶ء میں وہ سنسکرت کالج کے اسسٹنٹ سکرٹری مقرر ہوئے اور ان کا چھوٹا بھائی دینا بندھو اُن کی جگہ فورٹ ولیم کالج میں ہیڈ پنڈت ہو گیا۔ سنسکرت کالج میں ودیا ساگر نے خود تعلیم پائی تھی وہ دل و جان سے اُس کالج کے خیر خواہ تھے اس عہدہ پر مقرر ہو کر انہوں نے بہت سی بیقاعدگیاں جو اُس وقت کالج میں تھیں دور کیں۔ تعلیمی مضامین پر اُن کی رائے بڑی پختہ تھی۔ ہر ایک بات پر کالج کے افسروں سے اُن کی نوک چوک رہتی تھی آخر کار تھوڑے ہی عرصہ میں اُنہوں نے اس عہدہ سے استعفاء دے دیا۔ ایک دوست نے اُن سے کہا کہ پنڈت جی نوکری کیوں چھوڑتے ہو نوکری چھوڑ کر کیا کرو گے اُنہوں نے کہا کہ اگر کچھ اور نہیں ہو سکیگا تو دوکان کھول کر آلو بیچونگا۔ مگر

جہاں میری رائے کی قدر نہیں ہے وہاں نہیں رہ سکتا۔ اُس زمانہ میں
بجائے ڈائرکٹر محکمہ تعلیم کے بنگال میں (تعلیم) ایجوکیشن کونسل تھی مسٹر
موئٹ اس کے سکرٹری تھے اور بابو رسمی دت سنسکرت کالج کے سکرٹری
تھے اِن دونو صاحبوں نے بہتیرا چاہا کہ ودیا ساگر استعفاء نہ دیں مگر
ودیا ساگر کا ارادہ ایسا ویسا نہ تھا ایک بات کہ کر وہ کبھی پیچھے ہٹنے والے
نہ تھے۔ کالج سے علیحدہ ہو کر انہوں نے سنسکرت ڈپپازی ٹری اور سنسکرت
پریس کھول دیا اور کتابیں لکھنی شروع کر دیں۔ شروع ۱۸۴۹ء تک اُنہوں نے
کوئی نوکری نہیں کی اُس سال بابو درگا چرن بنرجی جو فورٹ ولیم میں ہیڈ رائٹر
تھے مڈیکل کالج میں داخل ہو گئے اور اُن کی جگہ فروری ۱۸۴۹ء میں ودیا ساگر
اسی روپیہ ماہوار پر ہیڈ رائٹر مقرر ہوئے۔ دسمبر ۱۸۵۰ء میں ودیا ساگر پھر
سنسکرت کالج میں نوے روپیہ ماہوار پر سنسکرت لٹریچر کے پروفیسر مقرر
ہوئے۔ تھوڑے ہی دنوں میں بابو رسمی دت نے اپنے عہدہ سے استعفاء
دے دیا۔ کالج کے سکرٹری اور اسسٹنٹ سکرٹری کا عہدہ ٹوٹ گیا اور
اُن کی جگہ ایکسو پچاس روپیہ ماہوار پر ودیا ساگر سنسکرت کالج کے پرنسپل
ہو گئے۔ بیشک ودیا ساگر بہت ہی لائق آدمی تھے کہ باوجود اُن کی اختلاف
رائے اور ضد کے بار بار ان کو سنسکرت کالج میں لانے کی کوشش کی جاتی
تھی۔ پرنسپل ہو کر تو سنسکرت کالج کا سارا انتظام ودیا ساگر کے ہاتھ میں آگیا
مگر اس کالج کے انتظام میں ان کو بڑی بڑی دقتیں پیش آئیں اوّل تو جتنے
پروفیسر تھے وہ قریباً سب ودیا ساگر کے اُستاد رہ چکے تھے اُن پر حکومت
کرنا بڑا مشکل تھا۔ یہ پنڈت صاحبان وقت کے پابند نہ تھے سب کے سب

دیر سے آتے تھے ودّیا ساگر کے لئے ناممکن تھا کہ وہ اِس بیقاعدگی کو دیر تک جائز رکھیں۔ کالج کے کھُلنے کے وقت وہ کالج کے دروازہ میں کھڑے ہو جاتے تھے اور جو کوئی اُستاد دیر سے آتا تھا اُس سے کہتے تھے کہ آپ اب آئے ہیں۔ پنڈتوں کو یہ بات ناگوار گذری مگر وہ تاڑ گئے کہ یہ ودیا ساگر ہیں اِن کا مقابلہ کرنا مشکل ہے ایک ہفتہ میں سب اُستاد وقت پر آنے لگ گئے مگر پنڈت جے نراین تُرک پنچ آنند ہمیشہ دیر سے آتے تھے وہ بڑے آتش مزاج آدمی تھے ودیا ساگر بھی ان کا ادب کرتے تھے اور ان کا حوصلہ نہیں پڑتا تھا کہ پنڈت جے نرائن کو یہ کلمہ کہیں کہ آپ اب آئے ہیں مگر ساتھ ہی اُنھوں نے کالج کی درستی کا پکّا ارادہ کر لیا تھا اس لیئے جس وقت پنڈت جے نرائن کالج میں آتے تھے ودیا ساگر جا کر دروازہ میں کھڑے ہو جاتے مگر اُن سے کچھ نہ کہتے جب دو چار دفعہ یہ معاملہ ہوا تو پنڈت جے نراین خفا ہو کر بولے کہ تم خاموش کیوں کھڑے ہو جو بات تمہارے دل میں ہو سو کہو چپ رہنے سے کیا فائدہ ہے اگر تم میری دیر سے ناراض ہو تو میں کل کو وقت پر آجاؤنگا۔

۲- ودیا ساگر نے سنسکرت کالج سے خود بڑا فائدہ اُٹھایا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ اُن کے ہموطن اس کالج سے ہمیشہ فائدہ اُٹھاتے رہیں کئی دفعہ گورنمنٹ کا ارادہ ہوتا تھا کہ اس کالج کو توڑ دے۔ اس ڈر سے ودیا ساگر نے تھوڑی تھوڑی فیس کالج کے لڑکوں پر لگا دی تاکہ خرچ کا خیال کر کے گورنمنٹ اس کالج کو نہ توڑے۔

۳- کالج میں آتے ہی اُنھوں نے دیکھا کہ سنسکرت کی گرامر یعنی ویاکرن

کا پڑھنا ودّیارتھیوں کے لئے بڑا مشکل ہے۔ بیچارے لڑکے مگدبودھ۔ اور پانِنی جیسی مشکل کتابوں کو پڑھتے تھے۔ ودیاساگر نے اس مشکل علم کو آسان کرنے کے واسطے اوپ کرمنکا ویاکرن۔ وکومدی ویاکرن کے چار حصے تیار کیے تاکہ ہندیوں کو آسانی سے گرامر آجاوے۔ علاوہ اس کے اُنہوں نے مہابھارت۔ رامائن اور پنچ تنتر میں سے عمدہ عمدہ کہانیاں اکٹھی کر کے رجوپاٹھ حصہ اوّل و دوم و سوم بنایا۔ اِن کتابوں سے سنسکرت کی تعلیم بہت آسان ہوگئی اور نہ صرف بنگال میں بلکہ پنجاب میں بھی یہ کتابیں مدرسوں میں پڑھائی جاتی ہیں *

۴۔ اس کالج میں گرمی کے موسم میں تعطیل نہیں ہوتی تھی ودیاساگر نے گورنمنٹ کو لکھ کر گرمی کی تعطیل کالج کے لئے منظور کرائی *

۵۔ ودیاساگر اپنے ملک کے سچّے خیرخواہ تھے وہ اچھی طرح سے سمجھتے تھے کہ انگریزوں کے زمانے میں صرف سنسکرت پڑھنے سے بہت فائدہ نہیں ہوسکتا۔ قوم کی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ سنسکرت کے ساتھ انگریزی کی تعلیم بھی لڑکوں کو دی جاوے اور ہندوستان کی کمزور ہڈیوں میں انگریزی زبان کے ذریعہ سے جوش ڈالا جاوے۔ ہندوستانی لوگ انگریزی تعلیم پاکر نہ صرف روزی کمائینگے بلکہ اور ملکوں کی تاریخ پڑھ کر معلوم کرینگے کہ قومیں کس طرح بنتی ہیں۔ کس طرح ترقی کرتی ہیں اور کس طرح عروج پر پہنچتی ہیں اور موجودہ زمانہ میں باقی قومیں کیا کام کررہی ہیں۔ ودّیاساگر کا یقین تھا کہ انگریزی زبان کے ذریعہ سے ہندوستان کے مُردہ جسم میں ضرور حرارت آئیگی اس لئے ودیاساگر نے سفارش کی کہ سنسکرت کالج میں انگریزی

کی تعلیم شروع کی جاوے یہ سفارش منظور ہوئی اور پرسنو کمار سرو ادھکاری انگریزی کے پروفیسر مقرر ہوئے ٭

۶- اُس زمانہ میں صرف برہمن اور وَید ذات کے لڑکے سنسکرت کالج میں پڑھا کرتے تھے شودروں کے لڑکے داخل نہیں ہو سکتے تھے مگر ذات پات کا تعصب شودروں تک محدود نہ تھا- وَید ذات کے لڑکوں کو ویدانت اور دھرم شاستر پڑھنے کی اجازت نہ تھی- ودیا ساگر کا فراخ دل اس ممانعت کے برخلاف بھڑک اُٹھا- اُنھوں نے ایک پرزور درخواست ایجوکیشن کونسل کے پاس بھیجی اور لکھا کہ یہ نامناسب فرق کالج سے دور کیا جاوے اور شودروں کے لڑکوں کو بھی کالج میں داخل کیا جاوے کیونکہ اگر برہمنوں کے سوا سنسکرت اور کسی کو نہیں پڑھائی جا سکتی تو فرنگیوں کو برہمن کیوں سنسکرت پڑھاتے ہیں اور اگر راجہ رادھا کانت دیو (جو شوبھا بازار کے خاندان میں سے تھے اور ذات کے شودر تھے) گھر پر برہمن نوکر رکھ کر سنسکرت پڑھ سکتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ باقی شودروں کو سنسکرت نہ پڑھائی جاوے اور یہ بات بالکل بے معنی ہے کہ وید ذات کے لڑکے ہندو شاستر کا ایک حصہ پڑھیں اور باقی حصہ اُنکو نہ پڑھایا جاوے- ان دلیلوں کا جواب کیا ہو سکتا تھا- سنسکرت کالج میں ذات پات کی تمیز نہ رہی وید ذات کے لڑکے کل شاستر پڑھنے لگے اور کتنے ہی شودروں نے بی اے- ایم اے کا امتحان اس کالج سے پاس کیا- تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد ودیا ساگر کی لیاقت اور حسن انتظام کی وجہ سے ان کی تنخواہ تین سو روپیہ ماہوار ہو گئی- ودیا ساگر اس وقت گورنمنٹ کے ملازم تھے مگر یاد رکھنا چاہئے کہ وہ

کسی سے نہ ڈرتے تھے نہ کسی کی خوشامد کرتے تھے اُنہوں نے کبھی کسی
سرکاری افسر کو اس بات کی جرأت ہونے نہیں دی کہ اُن کی بے ادبی
کرے وہ ترکی بہ ترکی کے لئے ہمیشہ تیار رہتے تھے سب لوگ جانتے تھے
کہ پنڈت جی کا مقابلہ کرنا مشکل ہے۔ ایک دفعہ کسی کام کے لئے وہ ہندو کالج
کے پرنسپل کر صاحب کے پاس گئے وہ میز پر پاؤں رکھکر کرسی پر بیٹھا ہوا
تھا۔ جب ودیا ساگر پہنچے تو اُس نے نہ اُن کو سلام کیا نہ بیٹھنے کو کرسی دی
ودّیا ساگر کھڑے کھڑے بات چیت کر کے رخصت ہوئے۔ کچھ دنوں بعد صاحب
مذکور کو کسی کام کے لئے سنسکرت کالج میں ودیا ساگر کے پاس آنا تھا ودیا ساگر
نے اُس کے آنے سے پہلے اپنے کمرہ میں سے سب کرسیاں نکلوادیں اور
آپ میز پر پاؤں رکھ کر کرسی پر بیٹھے رہے۔ جب کر صاحب اُن کے کمرہ میں
آیا تو اُنہوں نے نہ اُس کو سلام کیا نہ کرسی سے اُٹھے۔ کر صاحب مجبوراً کھڑا
رہا اور تھوڑی دیر کے بعد چلا گیا مگر ودیا ساگر کے اس سلوک سے وہ جل گیا
اور اُس نے موٹ صاحب سکرٹری ایجوکیشن کونسل سے ودیا ساگر کی
بڑی سخت شکایت کی موٹ صاحب نے ودّیا ساگر سے جواب طلب کیا اُنہوں
نے جواب میں ایک چٹھی لکھی جس کا مضمون خلاصتاً یہ تھا کہ انگریز لیاقت اور
اخلاق میں آجکل سب سے اعلےٰ سمجھے جاتے ہیں اور چونکہ میں باربیرین
(وحشی) ہوں میں نے مناسب سمجھا کہ انگریزوں کی رسم کے موافق میں بھی
کر صاحب کے آنے پر اُسی طرح بیٹھوں جس طرح کہ کر صاحب اُس وقت
بیٹھے ہوئے تھے جب کہ میں ان کے پاس گیا تھا۔ میں نے یہ طریقہ کر صاحب
سے ہی سیکھا ہے اگر میرے سے غلطی ہوئی تو اُس کے ذمہ وار کر صاحب

ہیں۔ موٹ صاحب یہ بے خوف جواب پڑھ کر نہایت ہی خوش ہوا اور اُس نے کر صاحب سے کہا کہ تم ودیاساگر سے صلح کر لو۔ وہ سنسکرت کالج میں ودیاساگر کے پاس آیا اور دونو نے ہاتھ ملا لئے۔ ایسے معاملہ کے بعد کسی سرکاری افسر کی کیا مجال تھی کہ اُنکی بے ادبی کرتا سب لوگ جانتے تھے کہ وہ بڑے بیڈھب آدمی ہیں

۱۸۵۵ء میں پنڈت جی کو ضلع ہُگلی۔ مدناپور۔ ندیا اور بردوان کے مدرسوں کا انسپکٹر بھی بنایا گیا۔ بحیثیت پرنسپل سنسکرت کالج ان کو تین سو روپیہ ماہوار اور بحیثیت انسپکٹر دو سو روپیہ ماہوار ملتے تھے اُن کی کل تنخواہ اب پانچسو روپیہ ماہوار تھی اگرچہ کالج کے انتظام میں وہ ہمیشہ سختی کرتے تھے مگر کالج کے باہر وہ بالکل بدل جاتے تھے اور لڑکوں سے بڑی بے تکلفی سے ملتے جُلتے تھے۔ ایک دفعہ وہ کسی کام کو گھر سے باہر گئے واپس آتے تک کالج جانے کا وقت قریب آگیا اُنہوں نے سمجھا کہ گھر جا کر کالج پہنچنا مشکل ہوگا وہ جھٹ ایک ایسی جگہ چلے گئے جہاں کئی طالب علم رہتے تھے لڑکوں کا کھانا تیار تھا ودیاساگر بھی اُن کے ساتھ کھانے میں شریک ہو گئے اور سب کی تھالیوں میں سے تھوڑی تھوڑی چیز لیکر کھاتے رہے اور ہنسی مذاق کی باتیں سنا کر لڑکوں کو ہنساتے رہے ۔

ودیاساگر بنگال کی انگریزی اور بنگالی سوسائٹی دونو میں بڑے مشہور تھے لارڈ ہارڈنج لارڈ ڈلہوزی اور لارڈ کیننگ انکی عزت کرتے تھے بڑے بڑے بنگالی انکی بات مانتے تھے۔ ۱۸۵۷ء میں کلکتہ یونیورسٹی قائم ہوئی اور ۳۹ ممبر سینیٹ کے مقرر ہوئے جن میں چار ہندو تھے اور دو مسلمان۔ ودیاساگر۔ رام گوپال گھوس۔ رماپرشاد رائے۔ پرسنو کمار ٹھاکر ہندو ممبر تھے۔ ودیاساگر مضمون

بنگالی۔ ہندی۔ اوڑیا اور سنسکرت کے ممتحن بنائے گئے اور جب کلکتہ
یونیورسٹی کی کانوکیشن کا پہلا جلسہ ہوا تو اُس میں گورنر جنرل کے برابر ایک
طرف ودّیا ساگر کو بٹھایا گیا اور دوسری طرف لارڈ بشپ کو۔ لفٹنٹ گورنران
بنگال سے تو ودیا ساگر کا بڑا گہرا تعلق تھا اور بیتھون صاحب جو گورنر جنرل کی
کونسل کے ممبر اور تعلیم نسواں کے بڑے مددگار تھے ودیا ساگر کے دلی دوست تھے۔

کیا وجہ تھی کہ ایسے ایسے آدمی اُن کی طرف کھچے آرہے
تھے۔ اوّل تو یہ بات تھی کہ اُس زمانہ میں انگریز بڑے فراخ دل اور ملنسار ہوتے
تھے اور کوشش کرتے تھے کہ جن ہندوستانیوں کی عزّت لوگ کرتے ہیں
اُن کی وہ بھی قدر کریں۔ علاوہ اس کے ودیا ساگر اپنے برتاؤ میں ہمیشہ
بے غرض تھے اور اپنے لئے کسی سے کچھ نہ مانگتے تھے اُن کی کوشش
اور نیت یہی ہوتی تھی کہ اُن کے ہموطنوں کو فائدہ پہنچے۔ اُن کی کوشش
صرف سنسکرت کالج کے انتظام تک محدود نہ تھی غریبوں کو روٹی کپڑا
دینا مریضوں کو دوائی دینا طالب علموں کی مدد کرنا دیہات میں لڑکے
اور لڑکیوں کے مدرسہ جاری کرنا کتابیں لکھنا اور بدھوا بیاہ کا پرچار کرنا
ودیا ساگر کا اُس وقت ہر روز کا کام تھا۔ آگے چل کر ان کا مفصّل حال
معلوم ہوگا کیا گورنر جنرل کیا لفٹننٹ گورنر کیا راجہ کیا دوکاندار ہر روز دیکھتے
تھے کہ یہ مہان پُرش ہزاروں روپیہ خرچ کرکے اپنی قوم کی آئندہ ترقی کی
بنیاد مضبوط کر رہا ہے۔ ساتھ ہی اس دھرماتما کی زندگی کیسی سیدھی سادی
تھی اوروں کو ہزاروں روپیہ دیتے تھے مگر آپ موٹے کپڑے کی چادر اور
دھوتی پہنتے تھے کیا مجال تھی کہ اُن کی طبیعت سے کسی طرح کا غرور ٹپک جائے

اُنہوں نے کلکتہ سے کچھ فاصلہ پر مقام کرمتا رمیں اپنے رہنے کے لئے مکان بنایا ہوا تھا جب کبھی کلکتہ میں رہتے رہتے تکان معلوم ہوتی کرمتار چلے جاتے تھے۔ ایک دفعہ وہاں گئے ہوئے تھے اُن کے مہتر نے آکر کہا کہ پنڈت جی مہترانی کو ہیضہ ہوگیا۔ ودیاساگر اپنی دوائی کا بکس لیکر اس کے ساتھ ہو لئے اور تمام دن اُس عورت کا علاج کرتے رہے اور جب تک کہ اُس کو آرام نہ ہوا وہ اُس مہتر کے گھر میں بیٹھے رہے ✤

ہلکے امیر آدمی جو غریبی سے امیری پر پہنچتے ہیں اپنے غریب ماں باپ کی پرواہ نہیں کرتے مگر ودیاساگر جوں جوں دولت اور رتبہ میں بڑے ہوئے اپنے ماں باپ پر نثار ہوتے گئے اپنی ماتا بھگوتی دیوی کو تو وہ اپنا دیوتا سمجھتے تھے اُس کے کہنے کو ہمیشہ بسر و چشم قبول کرتے تھے اُن کے چھوٹے بھائی شمبھو چندر کی شادی کے موقعہ پر ان کی ماں نے اُن کو بیرسنگہ میں آنے کے لئے کہلا بھیجا ودیاساگر نے چھٹی کی درخواست کی۔ درخواست نامنظور ہوئی ودیاساگر نے کہا کہ اگر مجھے چھٹی نہ ملیگی تو میں نوکری سے استعفاء دے دونگا خیر بڑی مشکل سے چھٹی ملی موسم برسات کا تھا راستہ میں ایک ندی چڑھ رہی تھی اُنہوں نے اپنے نوکر سے کہا کہ تم کلکتہ واپس چلے جاؤ اور آپ ندی میں کود پڑے اور تر بتر اپنے گاؤں میں جا پہنچے وہاں اُن کی ماں اُن کے انتظار میں رو رہی تھی وہ جاتے ہی اپنی ماں کے پاؤں پر جا گرے ماں اور کٹنبہ کے سب لوگ ان کو دیکھ کر خوش ہو گئے۔ یہ تو معمولی بات تھی اور بہت سے واقعات سے لوگ اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ کڑے دل ودیاساگر اپنی ماں کے سامنے موم

ہوجاتے ہیں۔ ایسے دھرماتما ایسے سخی ایسے پراوپکارک ودّیا ساگر ہوں
توکب ممکن ہوسکتا تھا کہ اعلیٰ سے اعلیٰ سرکاری افسر اور دیش کے راجہ
مہاراجہ ودّیا ساگر کا ادب نہ کریں اور ہر ایک ضروری معاملہ پر ان کی رائے
نہ لیں اس وقت ودیا ساگر کی عمر چالیس برس کی نہیں ہوئی تھی اگر وہ تبھی
مرجاتے تو باوجود چھوٹی عمر کے ملک کی تاریخ میں ایک نام نامی چھوڑ جاتے*
ایجوکیشن کونسل ٹوٹ گئی اور اُس کی جگہ محکمۂ تعلیم کے ڈائرکٹر
کا عہدہ قائم کیا گیا اور ینگ صاحب پہلا ڈائرکٹر مقرر ہوا یہ شخص بڑا ضدی
تھا اُس کے لئے یہ ناممکن تھا کہ ودّیا ساگر کے ساتھ اُن خیالات میں جو ہندوستان
کی ترقی کے متعلق ان کے دل میں جوش مار رہے تھے ہمدردی کرے ودیا ساگر
نے بحیثیت انسپکٹر دیہات میں بیشمار سرکاری ورنیکلر مدرسہ کھول دئے
تھے۔ ڈائرکٹر صاحب نے حکم دیا کہ مدرسے نہ کھولے جاویں ودیا ساگر کب
مانتے تھے معاملہ گورنمنٹ تک پہنچا اور ودیا ساگر کے حق میں فیصلہ ہوا۔
اب ودیا ساگر خوب زور شور سے مدرسے کھولنے لگے مگر ڈائرکٹر سے اُنکی
رنجش زیادہ ہوتی گئی لڑکیوں کے بہت سے مدرسہ بھی لفٹننٹ گورنر صاحب
کے زبانی حکم سے ودیا ساگر نے دیہات میں کھول دئے تھے مگر ڈائرکٹر
نے اِن مدرسوں کے بل پاس کرنے سے انکار کر دیا اور چونکہ اس وقت
گورنمنٹ عالیہ انگلستان میں تبدیلی کی وجہ سے گورنمنٹ ہند کی تعلیمی پالیسی
میں تبدیلی ہوگئی تھی اس لئے لفٹننٹ گورنر ودّیا ساگر کی مدد نہ کرسکے۔
ودّیا ساگر نے اِن مدرسوں کا کُل خرچ اپنی جیب سے دیا*
انسپکٹر ہونے کے بعد ودیا ساگر نے سرکاری مدرسوں کی بابت اپنی

سالانہ رپورٹ لکھ کر ڈائرکٹر صاحب کو دی ڈائرکٹر صاحب نے کہا کہ اس
رپورٹ میں نمک مرچ لگا دو تا کہ رپورٹ سے یہ ظاہر ہو کہ محکمہ تعلیم کے لوگ
بڑی محنت سے کام کر رہے ہیں۔ ودیا ساگر نے کہا کہ جو کچھ میں نے رپورٹ
میں لکھا ہے سب سچ ہے میں اس میں کچھ کمی بیشی نہیں کر سکتا چاہے
کوئی خوش ہو یا ناراض ہو ڈائرکٹر نے بڑا اصرار کیا ودیا ساگر استعفا دینے پر
تیار ہو گئے جبراً قہراً ڈائرکٹر کو وہی رپورٹ منظور کرنی پڑی۔ ہمیشہ ڈائرکٹر سے
ودیا ساگر کا اختلاف رہتا تھا وہ اعلیٰ دماغ اور فراخ دل والے آدمی تھے
ینگ صاحب جیسے کم عقل اور تنگ دل افسر کے ماتحت کام کرنا نہیں
چاہتے تھے مگر لفٹننٹ گورنر ہالیڈے صاحب ودیا ساگر کو پرچاتے رہتے
تھے اور نوکری چھوڑنے سے باز رکھتے تھے مگر تا بہ کے۔ ہندوستان کی
سوشل اور تعلیمی ترقی پکار پکار کر ودیا ساگر کو کہہ رہی تھی کہ سرکاری نوکری
کے بندھنوں میں رہ کر آپ اپنے ہم وطنوں کی ٹھیک طور سے سیوا نہیں
کر سکتے۔ ودیا ساگر کا دل اپنے اصلی کام کی طرف بے اختیار کھچا جا رہا تھا
سچ ہے کہ جب ایشور پرماتما کسی پُرش کو کسی خاص کام کے لئے دُنیا میں
بھیجتے ہیں تو وہ پُرش بے اختیار اُسی کام کی طرف جُھکا چلا جاتا ہے۔
ودیا ساگر دنیا کے دُکھوں کو ہر روز دیکھتے تھے ہزاروں بھوکوں اور ننگوں
سے ہر روز ملتے تھے۔ بیماروں کی گریہ وزاری سے اُن کے دل کو چوٹ
لگتی تھی اگیان اور اودیا کے زور کو دیکھ کر وہ بڑے اوداس ہوتے تھے
اور چاہتے تھے کہ کسی طرح اپنے تن من دھن سے استری پُرش کے دُکھ
کو کم کریں۔ ایسا شخص کب تک نوکری کے جھگڑوں میں رہ سکتا تھا۔ ایک

دفعہ ڈائرکٹر نے ودّیا ساگر سے کہا کہ آپ ہندو کالج کے پرنسپل کے پاس
جاکر سنسکرت کالج کے استعمال کے لئے دو کمرہ مانگ لیں۔ ودیا ساگر نے
کہا کہ میں وہاں اکیلا جانا نہیں چاہتا اگر آپ چلیں تو آپ کے ساتھ میں بھی
چلونگا۔ ڈائرکٹر نے کہا کہ آپ ہی جائیں۔ ودیا ساگر نے پھر انکار کیا۔ آخر کار
ڈائرکٹر نے نہایت خفا ہوکر کہا کہ آپ کو اکیلا ہی جانا پڑیگا۔ اُس کو معلوم نہ تھا
کہ ودّیا ساگر جیسے آزاد منش کو معمولی آدمیوں کی طرح دھمکانا آسان نہیں
ودیا ساگر نے فوراً ایک ٹکڑہ کاغذ پر اپنا استعفاء لکھ کر ڈائرکٹر کے ہاتھ میں دیدیا
اور زبانی کہا کہ مجھے امید ہے کہ آئندہ جو کام میں کرنا نہ چاہوں اُس کے کرنے
کے لئے مجھے مجبور نہیں کیا جائیگا۔ ڈائرکٹر استعفاء پڑھ کر ہکّا بکّا رہ گیا معاملہ
لفٹننٹ گورنر تک پہنچا اُنہوں نے ودّیا ساگر کو گھر پر بُلایا۔ لفٹنٹ گورنر ودیا ساگر
کی اصلی قدر کو جانتے تھے۔ اُنہیں اچھی طرح سے معلوم تھا کہ ایسا دیانت دار
اور لائق ملازم سرکار کو ملنا مشکل ہے اُنہوں نے ودیا ساگر سے بہتیری میٹھی
باتیں کیں مگر اُن کا ارادہ پکّا تھا آخر نومبر ۱۸۵۸ء میں ودیا ساگر ۳۸ سال کی
عمر میں سرکاری ملازمت سے علیٰحدہ ہوگئے اور پھر کبھی سرکاری نوکری اُنہوں
نے نہیں کی۔ سر جیمس کالول اُس وقت بنگال کے چیف جسٹس تھے اُنہوں
نے ودیا ساگر کو کہا کہ آپ ہائی کورٹ میں وکالت کریں ہم آپ کو ہندو محمڈن لاء
کے امتحان سے بری کر دینگے مگر اب ودیا ساگر دوسروں کی مرضی کے تابعدار
ہونا بالکل نہیں چاہتے تھے توکّل بخدا کر کے گھر میں آبیٹھے۔ معمولی لوگ اُس
وقت کہتے ہونگے کہ یہ شخص بالکل پاگل ہے جو اتنی بڑی تنخواہ اور اتنے بڑے
عہدہ کو چھوڑتا ہے پانچسو روپیہ ماہوار تو بڑی بات ہے سو پچاس روپیہ

کے عہدہ کے لئے معمولی دنیادار کیا کیا خوشامد نہیں کرتے کیا کیا بے عزتی
برداشت نہیں کرتے اپنے ہم وطنوں پر ظلم کرتے ہیں مگر حکام کی جوتیاں صاف
کرنا اُن سے گالیاں کھانا اور دن رات بے بلائے اُن کے بنگلوں پر بیٹھے
رہنا باعث فخر سمجھتے ہیں مگر یہ لوگ اُس فرقہ میں سے نہیں ہیں جو خدا کی
درگاہ سے بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچانے کے لئے وقتاً فوقتاً بھیجے جاتے
ہیں۔ معمولی آدمیوں کی نظروں میں ودیا ساگر کا اپنے اعلےٰ عہدہ سے
علیحدہ ہونا ایک نادانی کا کام معلوم ہوتا ہوگا مگر وہ غائبانہ طاقتیں جو انسان
کے دل میں اچھے ارادے پیدا کرتی ہیں اُس دن ہندوستان کو اس بات
پر مبارکباد دے رہی ہونگی کہ ودیا ساگر جیسا دلیر اور خداترس آدمی اُس کی
خدمت میں ہمہ تن مصروف ہوا۔

تصنیفات

جس اعلےٰ درجہ کی علمیت زبان سنسکرت میں ودیا ساگر نے حاصل
کی اُس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اپنی ہمت کی بدولت وہ زبان انگریزی سے
بھی خوب واقف ہو گئے تھے انگریزی مصنفوں کے خیالات اُن کو معلوم
تھے۔ اُن کی طبیعت میں دُنیا کی بھلائی کے خیالات اُمڈے آرہے تھے
ان سب باتوں نے ان کو اعلےٰ درجہ کا مصنف بنا دیا۔ ودیا ساگر کی شروع
جوانی کے دنوں میں بنگال میں انگریزیت کا بڑا زور ہو رہا تھا۔ ہندو شاستروں
سے ناواقف انگریزی خواں بنگالی نہ صرف عیسائی مذہب کو ہی اچھا سمجھتے

تھے بلکہ اپنے ملک کی ہر ایک چیز کو بُرا سمجھتے تھے انگریزی کے عشق میں
بنگالی زبان سے نفرت کرتے تھے - کوٹ پتلون کے چاؤ میں بنگالی پوشاک
سے دور بھاگتے تھے - اس سیلاب میں بڑے بڑے بنگالی صاحبان جن میں
بہت سے ودیا ساگر کے دوست تھے بے اختیار بہے جا رہے تھے ایسے
نازک وقت میں ودیا ساگر جو اپنے ملک کے سچّے خیر خواہ تھے کسطرح خاموش
رہ سکتے تھے اُن کی پُرزور قلم حب الوطنی اور ہندو طبیعت اس طوفان کا
زور توڑنے کو تیّار ہو گئی - اُن کی تحریر نے بنگالی زبان کا بول بالا کر دیا اور
لوگوں پر ثابت کر دیا کہ ہندؤں کی کتابوں میں بڑے بڑے رتن ہیں - لوگ
اُن کی کتابوں کو پڑھ کر حیران ہوتے تھے اور مانتے تھے کہ بیشک بنگالی زبان
ہر ایک طرح کے خیالات ادا کر سکتی ہے - ودیا ساگر کا طرز تحریر بعض جگہ
ایسا پُرزور اور دلچسپ ہے کہ کتاب کو ختم کئے بغیر چھوڑنا مشکل ہے ؎

جس زمانے میں ودیا ساگر نے اپنی کتابیں لکھیں اس سے
پہلے بنگالی زبان میں اس قسم کی کتابیں بالکل موجود نہ تھیں اور سرکار
اور رعایا دونو کو ایسی کتابوں کی بڑی ضرورت معلوم ہوتی تھی جن میں اخلاقی
مضامین عمدگی سے لکھے ہوں اور جن کو چھوٹی عمر کے لڑکے پڑھ سکیں - یہ
بنگال کی بڑی خوش قسمتی تھی کہ ودیا ساگر جیسا عالم اور نیک خیال شخص اس
ضرورت کو دور کرنے کے لئے تیار ہوا - اُنھوں نے اپنی کتابوں سے بنگالی
لڑکوں کو نہ صرف بنگالی لکھنا پڑھنا سکھایا بلکہ دنیا میں روشنی پھیلانے کے
لئے جو ولولے اُن کے دل میں جوش مار رہے تھے ان کا سبق بھی مناسب
طور سے خوب دیا ؎

ودّیا ساگر کی کتابیں حسب ذیل ہیں :-

۱۸۴۷ء میں بیتال پچیسی۔ یہ کتاب ہندی بیتال پچیسی کا لفظی ترجمہ ہے۔ گورنمنٹ نے اس کتاب کی سو جلدیں تین سو روپیہ میں خریدیں اور لوگوں نے بھی کتاب کی بڑی قدر کی ٭

۱۸۴۸ء میں تاریخ بنگال سراج الدولہ کے شروع عہد سے انگریزوں کے آنے تک۔ یہ کتاب مارش مین صاحب کی تاریخ کی طرز پر ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن تھوڑے ہی عرصہ میں بک گیا ٭

۱۸۵۰ء میں جیون چرتر یا سوانح عمری کا مجموعہ۔ اسمیں گیلی لیو۔ کوپرنیکس۔ نیوٹن۔ ہرشل وغیرہ مہاپرشوں کے جیون کا حال لکھا ہے تاکہ پڑھنے والوں کے دلوں میں سائنس کا شوق اور تحقیقات کا مادّہ پیدا ہو ٭

۱۸۵۱ء میں بودھ اودے۔ تعلیم کی پہلی کتاب ٭

۱۸۵۲ء میں (۱) نیتی بودھ۔ یہ کتاب چیمبرز کی مارل کلاس بک کا ترجمہ ہے۔ (۲) اوپکرمنیکا ویاکرن۔ اس کتاب سے سنسکرت گرامر کا پڑھنا چھوٹے لڑکوں کے لئے آسان ہو گیا پہلے اُن کو مگدھ بودھ اور امر کوش وغیرہ مشکل کتابیں پڑھنی پڑتی تھیں۔ (۳) رجوپاٹھ حصہ اوّل ودوم وسوم۔ اس میں رامائن مہابھارت اور پنچ تنتر میں سے عمدہ عمدہ کہانیاں اکٹھی کی ہیں ٭

۱۸۵۵ء میں۔ شکنتلا اور بدھوا بواد ٭

۱۸۵۶ء میں۔ ورن پریچے کے دو حصہ۔ کتھا مالا اور چرت بالی

یہ کتابیں چھوٹی عمر کے لڑکوں کے لئے مفید ہیں ٭

۱۸۵۵ء میں - چرتاولی - جس میں راسکو - ھائن وغیرہ بڑے آدمیوں کے جیون چرتر ہیں ٭

۱۸۶۲ء میں - سیتا بن باس ٭

۱۸۶۴ء میں - اکھن منجری (کہانیوں کی کتاب) - اترچرت - ورنتی بلاس - یہ پچھلی کتاب شیکسپیر کی بھول بھلیاں کی طرز پر لکھی ہے ٭

۱۸۶۹ء میں - ویاکرن کومدی ٭

۱۸۷۱ء میں میگدوت وشکنتلا کی شرح ٭

ان میں سے بہت سی کتابیں ہندی انگریزی یا سنسکرت کتابوں کا ترجمہ ہیں مگر ودیا ساگر جیسا رحم دل اور فیاض طبع آدمی ان کتابوں میں نئے خیال ڈالے بغیر کس طرح رہ سکتا تھا - ودیا ساگر کی نثر نظم کا اثر رکھتی ہے سچ ہے کہ جس نثر سے پڑھنے والے کے دل میں دیا بھاؤ پیدا ہو اور عمدہ عمدہ خیالات زور ماریں تو وہ نثر نظم ہی ہو جاتی ہے - ایسا کون شخص ہے جس نے سیتا بن باس کو پڑھا ہو اور آنسو نہ بہائے ہوں - ایسا کونسا ہندو ہے جو شکنتلا جیسی ہندو کہانی کو پڑھے اور انگریزیت کے دلولہ کو نہ بھول جائے - بدھوا بواہ میں تو ودیا ساگر نے غضب ڈھایا ہے اُنھوں نے یہ کتاب صرف تحریر کے لطف کے لئے نہیں لکھی تھی - ہندو بدھواؤں کی تکلیف نے ودیا ساگر کے دل کو پاش پاش کیا ہوا تھا اُنھوں نے بڑی بڑی کتابوں کو مطالعہ کر کے اس مضمون پر موافق اور مخالف رائیں اکٹھی کیں اور اپنی طبیعت کے کل زور کو اس پُر درد مضمون کے اظہار میں لگایا

بدھواؤں کی مصیبتوں کا نقشہ اس کتاب میں ودیا ساگر نے خوب کھینچا ہے
ودیا ساگر کی کتابوں کی عمدگی اور خوبی کا اندازہ اس بات سے
لگ سکتا ہے کہ یہ کتابیں بنگال کے کل مدرسوں میں پڑھائی جاتی تھیں
اور بعض تو اب تک نہ صرف بنگال میں بلکہ پنجاب میں بھی پڑھائی جاتی
ہیں ودیا ساگر کو کئی سال تک اپنی کتابوں سے تین ہزار روپیہ ماہوار
کی آمدنی ہوتی رہی۔ اِن کتابوں کی بدولت ودیا ساگر نے لاکھوں روپیہ
کمائے اور دل کھول کر ملک کی سیوا میں خرچ کئے۔ بابو بنکم چندر چٹرجی جو
خود بڑے بھاری مصنف تھے ودیا ساگر کی طرز تحریر کی ہمیشہ بڑی تعریف
کرتے تھے۔ بنگال کے مشہور شاعر مائیکل مدھوسودن دت نے ایک چٹھی
میں بابو راج نرائن بوس پریزیڈنٹ آدی براہمو سماج کو یہ الفاظ لکھے
تھے "میں نے اپنی کتاب ودیا ساگر کو ڈیڈی کیٹ کی ہے۔ میں کئی
وجوہات سے ودیا ساگر کو آجکل کے زمانہ کا اوّل آدمی سمجھتا ہوں اُمید
ہے کہ آپ یہ سُن کر خوش ہونگے کہ میری بلینک ورس کی نسبت ودیا ساگر
اچھی رائے دیتے ہیں اگرچہ وہ اُس کو ابھی تک اچھی طرح نہیں پڑھ سکتے
میرے لئے اُن کی تعریف بڑی بات ہے کیونکہ وہ کسی کی خوشامد کرنے
والے نہیں"۔ مائیکل مدھوسودن دت کی شاعری بڑی اعلےٰ درجہ کی
تھی۔ ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب اتنا بڑا مصنف ودیا ساگر کی
رائے کی ایسی قدر کرتا تھا تو ودیا ساگر خود کیا ہی اچھے لکھنے والے ہونگے
اگرچہ ودیا ساگر کی کتابوں کو لکھے ہوئے بہت عرصہ گذر گیا مگر ان کتابوں
کو اہل بنگال اب تک بڑے لطف سے پڑھتے ہیں اور اُن کی فروخت

سے معقول آمدنی ہوتی ہے۔ آجکل بنگالی زبان بڑی ترقی پر ہے مگر اس ترقی کی بنیاد رکھنے والوں میں راجہ رام موہن رائے کے بعد ودّیا ساگر کا کام بڑے اعلےٰ درجہ کا ہے

اشاعت تعلیم

جن شخصوں نے راجہ رام موہن رائے کے بعد بنگالیوں کی تعلیم میں روپئے اور ہمّت سے مدد کی اُن میں ودیا ساگر سب سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔ آریہ ورت میں جہاں پراچین زمانہ میں بڑے بڑے ودّوان ہوا کرتے تھے ہزاروں برس کے دماغی اندھیرے کی وجہ سے لوگوں کی زندگی کے ہر پہلو میں ایسے نقص ہو گئے تھے کہ جن کا خیال کرکے ملک کا کوئی خیر خواہ بھی آنسو بہائے بغیر نہ رہ سکتا تھا ملک میں تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے لوگ دھرم کے معنی بھول گئے اور دھرم نے جاہلوں کی زندگی میں وہ بھیانک شکل اختیار کی کہ جس کو دیکھ کر سیکڑوں تعلیم یافتہ ہندوستانی عیسائی بن گئے اور یہی نہیں کہ اُنہوں نے صرف مذہب ہی تبدیل کیا بلکہ ہر ایک بات میں وہ اپنی پُرانی سوسائٹی کے پکّے دشمن ہو گئے۔ کیا سوسائٹی کے لئے یہ نقصان تھوڑا تھا۔ اودّیا کی وجہ سے لوگ نہ صرف تجارت کرنے کے ناقابل ہو گئے بلکہ اپنے چھوٹے چھوٹے بیوہاروں میں بھی اعتبار کے لائق نہ رہے۔ بدقسمتی سے انقلاب زمانہ نے ہندوستان میں جہاں اور کچھ نقصان کئے یہ نقصان سب سے

بڑا کیا کہ لوگوں کے دلوں میں جو رہی سہی عزّت عورتوں کی تھی وہ بالکل دور
کردی لوگ عورتوں کو کسی کام کے لائق نہ سمجھتے تھے ان کو تعلیم کس طرح
ہوتی۔ عورتوں کو تعلیم نہ ہونے سے نہ صرف عورتیں ہی جاہل رہیں بلکہ مردوں
کی جہالت کو بھی ترقی ہوئی۔ غرضیکہ جس وقت انگریزوں نے ہندوستان کی
حکومت سنبھالی کیا مرد کیا عورت سب اندھیرے میں ڈوبے ہوئے تھے
انیسویں صدی کے شروع میں راجہ رام موہن رائے اور ڈیوڈ ہیر صاحب
نے مدرسہ کھول کر تعلیم کا کام شروع کیا۔ راجہ رام موہن رائے بڑے باکمال
صاحب حوصلہ اور ملک کے اچھے خیر خواہ تھے۔ ڈیوڈ ہیر صاحب ہندوستانیوں
کے پکّے دوست خدا ترس اور مالدار شخص تھے۔ اِن دونو مہاں پُرشوں نے
بنگال کی جہالت دور کرنے میں بڑی کوشش کی۔ ان کے بعد بنگال کی
خوش قسمتی سے مسٹر بیتھون صاحب گورنر جنرل کی کونسل کے ممبر ہو کر کلکتہ
میں آئے ایشور پرماتما اُس دھرماتما انگریز کی روح کو شانتی دیں۔ آجکل کے
انگریزوں کا ہندوستانیوں سے جو سلوک ہے اُس کو دیکھ کر یہ یقین کرنا
مشکل معلوم ہوتا ہے کہ ڈیوڈ ہیر صاحب بنگالی لڑکوں کو پڑھانے میں اور
اُن کے ساتھ محبّت کرنے میں بنگالیوں سے بڑھ کر تھے اور بیتھون صاحب
ایسے اعلےٰ افسر ہو کر بنگالی لڑکیوں کے ساتھ اس طرح کھیلتے تھے جیسے کہ
اپنے بچّوں سے کھیلتے ہیں۔ اِن مہربان انگریزوں نے نہ صرف ہندوستانیوں
کو ہی فائدہ پہنچایا بلکہ انگریزی سلطنت کی بنیاد کو ہندوستان میں مضبوط کر دیا۔
آجکل انگریزوں کے دماغ میں اتنا غرور ہے کہ تعلیم یافتہ ہندوستانی جن کو ذرا
بھی اپنی عزّت کا خیال ہے انگریزوں سے ہمیشہ دور رہتے ہیں اور اگر کوئی

یورپین حاکم مصلحتاً کسی اچھے کام کو شروع کرتا ہے تو تعلیم یافتہ ہندوستانی
خوشی خوشی اُس میں شامل نہیں ہوتے۔ بیتھون صاحب کا آنا ودیا ساگر
کے لئے بڑا غنیمت ہوا۔ ودیا ساگر اپنے ملک کی جہالت کو دیکھ کر اداس
ہوتے تھے کیونکہ اُن کا یقین تھا کہ تعلیم کے بغیر کوئی ملک کسی قسم کی ترقی
نہیں کرسکتا اور تعلیم لڑکیوں کو بھی ویسی ہی ہونی چاہئے جیسی کہ لڑکوں کو۔
ودیا ساگر اور بیتھون صاحب و دیگر دوستوں کے مشورے سے ۱۸۴۹ء میں
میں ہندو بالکا ودیالہ جس کو بعد میں بیتھون سکول کا نام دیا گیا بابو دکشنے رنجن
مکرجی کے مکان پر کھولا گیا اور ودیا ساگر اس سکول کے آنریری سکرٹری مقرر
ہوئے۔ اُنھوں نے بیتھون صاحب کی اس سکول کے متعلق بڑی مدد کی
اور اُن کی کوشش کی وجہ سے بابو رام گوپال گھوس۔ پنڈت شمبھو ناتھ (جو
بعد میں کلکتہ ہائیکورٹ کے جج ہوئے)۔ پنڈت تارا ناتھ ترک النکار۔ پنڈت
مدن موہن ترک النکار اور اور بہت سے شخص اپنی لڑکیوں کو بیتھون سکول
میں بھیجنے لگے۔ شروع شروع میں لڑکیوں کو گاڑی میں بٹھا کر سکول میں لیجایا
کرتے تھے۔ ودیا ساگر نے اُس گاڑی پر منو سنہتا کا شلوک جس کا مطلب یہ
ہے کہ لڑکیوں کو بھی لڑکوں کی طرح پڑھانا چاہیئے لکھوا رکھا تھا۔ اس مدرسہ
کے کھلنے پر لوگوں نے اُس کی بڑی مخالفت کی استری سکشا کے مددگاروں
کو ذات سے نکالنے کی دھمکیاں دیں مگر ودیا ساگر اور اُن کے دوست ان
باتوں سے کب ڈرتے تھے مگر افسوس ہے کہ جلد ایک بلائے ناگہانی اُنکے
سر پر نازل ہوئی۔ یہ نیک کام ابھی شروع ہی ہوا تھا کہ مسٹر بیتھون صاحب
جو صدق دل سے ہندوستانیوں کا بھلا کرنا چاہتے تھے اور جن کی محبت کا

بیتھون سکول ایک جزوی اظہار تھا ۱۸۵۱ء میں اچانک دو تین دن بیمار رہ کر مر گئے۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روی گل سیر ندیدیم بہار آخر شد

اُن کے مرنے کی خبر سُن کر بنگال کے لوگ ہکّے بکّے رہ گئے سینکڑوں بنگالی لڑکے اُس فراخ دل اور فرشتہ سیرت انگریز کے جنازہ کے ساتھ ماتم کرتے ہوئے گئے۔ ودیا ساگر کی تو بیتھون صاحب سے گہری دوستی تھی وہ تو صاحب کے مرنے کی خبر سُن کر بچوں کی طرح روئے اور کیوں نہ روتے۔ جن شخصوں نے کسی اچھّے کام کا بیڑا اُٹھایا ہے اور جن کو اُس کام سے سچّا پریم ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جب اُن کا کوئی متر جو اُس کام میں اُن کا بڑا سہایک تھا اِس دنیا سے چلا جاتا ہے تو اُن کو کیا کچھ تکلیف نہیں ہوتی۔ سچّا پریم درحقیقت اُن شخصوں میں ہی ہوتا ہے جو کسی نیک کام میں ایک دوسرے کے مددگار ہوتے ہیں اور ایسی حالت میں جُدائی سے پس ماندگان کو بڑا رنج ہوتا ہے۔ بیتھون صاحب کے مرنے کے بعد گورنر جنرل نے بیتھون سکول کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا سیسل بیڈن صاحب سکول کے پریزیڈنٹ مقرر ہوئے اور ودّیا ساگر بدستور سکرٹری رہے۔ کئی سال کے بعد گورنمنٹ کا منشا ہوا کہ بیتھون سکول کو بند کر دیا جائے۔ اس بارہ میں سر ولیم گرے لفٹنٹ گورنر بنگال نے ودیا ساگر کی رائے پوچھی۔ ودیا ساگر جیسے خیر خواہ ملک کب گوارا کر سکتے تھے کہ استری سکشا کے کارج کو کمزور کیا جائے۔ اُنھوں نے اپنی چٹھی مورخہ یکم اکتوبر ۱۸۶۷ء

ہیں لفٹنٹ گورنر صاحب کو لکھا کہ "بیتھون سکول کی بابت میں آپ سے
اتفاق کرتا ہوں کہ جس قدر روپیہ اس پر خرچ ہوتا ہے اُس کے مقابلہ میں سکول
کے نتائج اچھے نہیں ہیں مگر بہتر بھی ہیں یہ صلاح نہیں دے سکتا
کہ سکول کو بالکل بند کر دیا جاوے۔ جس نیک خیال بزرگ (بیتھون
صاحب) کے نام سے یہ سکول مشہور ہے اُس نے جو خدمات استری
سکشا کے کارج میں کیں اُن کی یادگار یہ سکول ہے اور اس لئے
گورنمنٹ کا فرض ہے کہ اس سکول کی مدد کرے۔ علاوہ ازیں یہ ضروری
ہے کہ کلکتہ میں لڑکیوں کا ایک بہت عمدہ سکول جاری رہے تاکہ
لڑکیوں کے جو مدرسہ دیہات میں قائم ہوں اُن کے لئے وہ نمونہ کا
کام دے۔ ہندوستانی سوسائٹی میں بیتھون سکول نے بڑا عمدہ اثر کیا
ہے اور درحقیقت اُس کی وجہ سے کلکتہ کے اضلاع متصل میں استری
سکشا کے واسطے راستہ صاف ہو گیا ہے۔ میری رائے میں یہ سب باتیں
ظاہر کرتی ہیں کہ اس سکول پر جو روپیہ خرچ ہوا ہے وہ ضائع نہیں ہوا۔"
گورنمنٹ وِدیا ساگر کی رائے کی بڑی قدر کرتی تھی اسلئے بیتھون سکول
قائم رہا۔ ۱۸۶۹ء میں بوجہ زیادتی کام کے وہ بیتھون سکول سے علیحدہ ہوئے
بابو دکشنے نرنجن مکرجی نے جو کوشش اور مدد بیتھون
سکول کی کی وہ بڑی شکریہ کی مستحق ہے۔ جس زمین پر بیتھون کالج
بنا ہوا ہے وہ بابو صاحب نے مفت دی تھی اُس وقت اُس زمین
کی قیمت چودہ ہزار تھی۔ بیتھون صاحب نے بھی ہزاروں روپیہ اس
سکول کے واسطے دئے اور اُن کے ایک لاکھ روپیہ سے بیتھون کالج

کی عالیشان عمارت تیار ہوئی۔ ان کی مہربانی کا شکریہ جتنا کیا جائے کم
ہے مگر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ودیا ساگر کی بیس سال (۱۸۴۹ لغایت ۱۸۶۹)
کی بے غرض محنت سے نہ صرف بیتھون سکول قائم ہوا بلکہ اُس کو بڑی
رونق ہوئی۔ ودیا ساگر کا پُرانے خیالات کے لوگوں میں بڑا رسوخ تھا اُنہوں
نے اُن لوگوں میں استری سکشا کا پرچار بڑے زور شور سے کیا اور یہ اُنکی
کوشش کا نتیجہ ہے کہ استری سکشا نے بنگال میں بہت جلد ترقی کی ہے
اگرچہ ودیا ساگر کا ۱۸۶۹ء کے بعد بیتھون سکول سے تعلق نہیں
رہا تھا مگر وہ سکول کی ترقی کو دیکھ کر ہمیشہ خوش ہوتے تھے۔ یہ سکول بعد میں
کالج بن گیا اور وہاں کی لڑکیاں بی اے اور ایم اے کا امتحان پاس کرنے
لگ گئیں۔ جب مس چندر مکھی بوس نے بیتھون کالج سے ایم اے کا امتحان
پاس کیا تو ودیا ساگر بہت خوش ہوئے اُنہوں نے اُس کو مبارکباد کی چٹھی
لکھی اور شیکسپیر کی کل کتابیں انعام کے طور پر اُس کی نذر کیں۔ اپنے مرنے
سے تھوڑا عرصہ پہلے ودیا ساگر ایک لڑکی کو بیتھون کالج میں داخل کرنے
گئے۔ وہاں مس چندر مکھی بوس پرنسپل اور باقی اُستادوں نے ودیا ساگر
کی بڑی تنظیم کی۔ ایک بوڑھی عورت نے جو کالج میں بہت عرصہ سے
ملازم تھے۔ ودیا ساگر سے بیتھون سکول کے ابتدائی زمانے کا ذکر کیا
ودیا ساگر پرانی باتوں کو یاد کر کے اداس ہو گئے اور بیتھون صاحب کی
سٹیچو (مورت) کے پاس بہت عرصہ کھڑے رہے۔ اُن کی آنکھوں سے
بے اختیار آنسو جا رہے تھے جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اپنے دوست
بیتھون صاحب کو یاد کر رہے ہیں اور دل میں کہتے ہیں کہ اگر بیتھون صاحب

اسوقت زندہ ہوتے تو وہ اس کالج کو ہرا بھرا دیکھ کر کیسے خوش ہوتے۔ بعد ازاں اپنے چلنے سے پیشتر ودیا ساگر نے کچھ روپے مس بوس کو اس غرض سے دیئے کہ کالج کی لڑکیوں میں مٹھائی تقسیم کی جائے ⁂

۲۔ ودیا ساگر نے اپنے گاؤں بیر سنگھ میں بھی لڑکیوں کا ایک مدرسہ کھول دیا۔ وہاں کاغذ قلم سلیٹ اور کتابیں لڑکیوں کو مفت دی جاتی تھیں اس مدرسہ میں بیر سنگھ کے سوا نزدیک کے دیہات کی لڑکیاں بھی پڑھنے آتی تھیں اس مدرسہ کا خرچ ۳۰ ماہوار تھا ⁂

۳۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ ہالیڈے صاحب لفٹنٹ گورنر بنگال کے کہنے سے ودیا ساگر نے دیہات میں قریباً سو مدرسے لڑکیوں کے کھول دیئے تھے۔ ہر ایک مدرسہ میں دو پنڈت اور ایک عورت نوکر تھی اور لڑکیوں کو کاغذ قلم سلیٹ مفت دی جاتی تھی جب ودیا ساگر نے ان مدرسوں کا خرچ گورنمنٹ سے مانگا تو ڈائرکٹر نے بل پاس کرنے سے انکار کر دیا۔ لفٹنٹ گورنر صاحب اس معاملہ میں بے اختیار تھے کیونکہ گورنمنٹ ہند ان مدرسوں کا خرچ اٹھانا نہیں چاہتی تھی۔ ہالیڈے صاحب ودیا ساگر کو کہنے لگے کہ چونکہ آپ نے یہ مدرسے میرے کہنے سے کھولے ہیں اس لئے آپ مجھ پر مدرسوں کے خرچ کی بابت نالش کریں۔ انہوں نے کہا کہ میں نے آج تک کسی اور شخص پر اپنے روپیہ کی نالش نہیں کی آپ پر کس طرح کر سکتا ہوں میں خود اپنی جیب سے ان مدرسوں کا خرچ ادا کر دونگا۔ پھر ودیا ساگر نے چار ہزار روپیہ قرض لے کر ان سکولوں کا پچھلا خرچ ادا کر دیا اور بیس سکول رکھ کر باقی سکول توڑ دیئے۔ ان سکولوں کے جاری رکھنے میں

راجہ پرتاپ چندر سنگھ بہادر ساکن کاندی۔ بابو ساردا پرشاد سنگھ ساکن جکدگہی سرسیسل بیڈن اور سر بارٹل فریر نے ودیا ساگر کو مدد دی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں یہ سکول بڑی رونق پر ہو گئے۔ یہ حال ودیا ساگر کی چٹھی مورخہ ۱۱ اکتوبر ۱۸۵۸ء سے ظاہر ہوتا ہے جو اُنھوں نے سر بارٹل فریر کو لکھی تھی۔ مضمون چٹھی کا یہ ہے "جناب من۔ آپ یہ بات سُن کر بیشک نہایت خوش ہونگے کہ لڑکیوں کے دیہاتی مدرسے جن کی مدد کے لئے آپ نے بڑی مہربانی سے چندہ دیا تھا عمدہ طور سے ترقی کر رہے ہیں۔ کلکتہ کے اضلاع متصل میں لوگ لڑکیوں کی تعلیم کو پسند کرنے لگ گئے ہیں اور وقتاً فوقتاً نئے گرل سکول بھی جاری ہو رہے ہیں"۔ ان کے سوا اور مدرسہ بھی لڑکیوں کے واسطے کھولے گئے جن میں آدھا خرچ گورنمنٹ دیتی تھی۔ اس طرح ودیا ساگر کی ہمت سے لڑکیوں کی تعلیم کا نیک کام بنگال میں مستقل طور سے جڑ پکڑ گیا۔ اور اب بنگال میں لڑکیوں کی تعلیم جو کچھ پھول پھل لا رہی ہے یہ سب ودیا ساگر کی محنتوں کا نتیجہ ہے۔

لڑکوں کے مدرسے ۱۔ جب ودیا ساگر مدرسوں کے انسپکٹر تھے تو اُنھوں نے گورنمنٹ کے حکم سے بہت سے ورنیکلر مڈل سکول دیہات میں کھول دیئے چونکہ وہ آپ تعلیم پھیلانا چاہتے تھے اس لئے وہ گورنمنٹ کے حکم کی تعمیل بڑے شوق سے کرتے تھے۔ ان مدرسوں کا خرچ سرکار کے ذمہ تھا مگر اُستادوں کا انتخاب ودیا ساگر کے سپرد تھا۔ اُس زمانہ میں جغرافیہ۔ حساب۔ تاریخ اور سائنس کو بنگالی میں پڑھانے والے اُستاد مشکل سے ملتے تھے۔ ایک

دفعہ وِدّیا ساگر ایک دیہاتی مدرسہ کا امتحان لے رہے تھے اُنہوں نے ایک لڑکے سے پوچھا کہ زمین کی کتنی حرکتیں ہیں اور زمین سورج کے گرد کتنے عرصہ میں گھومتی ہے۔ لڑکے نے کہا کہ زمین حرکت نہیں کرتی اور سورج زمین کے گرد خود گھومتا ہے۔ ودیا ساگر یہ جواب سُن کر حیران ہوئے اور سمجھ گئے کہ یہ تعلیم ماسٹر صاحب کی ہے۔ اُنہوں نے فوراً ماسٹر سے پوچھا کہ کیا زمین سورج کے گرد نہیں گھومتی۔ اُس نے کہا کہ کیا زمین سورج کے گرد گھومتی ہے۔ ودّیا ساگر نے جواب دیا کہ زمین ۲۴ گھنٹہ میں اپنے محور کے گرد گھومتی ہے۔ یہ زمین کی روزانہ گردش ہے اور ۳۶۵ دن میں سورج کے گرد گھومتی ہے اور یہ زمین کی سالانہ گردش ہے۔ یہ بات سُنکر ماسٹر صاحب نے کہا کہ اگر زمین گردش کرتی ہے تو کرنے دو میں کچھ پرواہ نہیں کرتا۔ اُستادوں کا یہ حال دیکھ کر ودیا ساگر نے گورنمنٹ کو مشورہ دیا کہ کلکتہ میں ایک نارمل سکول کھولنا چاہیئے۔ گورنمنٹ نے اس تجویز کو پسند کیا اور کلکتہ میں نارمل سکول کھولا گیا تاکہ دیہاتی مدرسوں کے واسطے اُستاد تیار کیئے جاویں ❊

(۲) سنہ ۱۸۵۳ء میں ودیا ساگر نے اپنے گاؤں بیر سنگھ میں لڑکوں کا مدرسہ کھولنے کی تجویز کی۔ جو زمین مدرسہ کے لئے خریدی گئی تھی اُس کو درست کرنے کے لئے وقت پر مزدور نہ ملے۔ ودّیا ساگر اپنے بھائیوں سمیت کدال ہاتھ میں لے کر اُس زمین کو صاف کرنے لگ گئے۔ بعد ازاں ایک ہزار سے زیادہ روپیہ اپنے باپ کو مدرسہ کا مکان بنانے کے واسطے دے کر آپ کلکتہ چلے آئے جس وقت مکان تیار ہوا تو مدرسے

کا نام اُنہوں نے اپنی ماں کے نام پر بھگوتی ودیالہ رکھا۔ تھوڑے عرصہ میں طالب علموں کی تعداد تین سو تک پہنچ گئی اس مدرسہ کے واسطے ودیا ساگر کو قریباً تین سو روپیہ ماہوار دینا پڑتا تھا۔ اُسی سال ودیا ساگر نے مزدوروں کے واسطے بیرسنگھ میں ایک نائٹ سکول کھول دیا۔ وہاں طالبعلموں کو کاغذ کتابوں کے سوا حقہ پینے کے واسطے تمباکو بھی دیا جاتا تھا۔ بیرسنگھ کے مدرسہ میں پڑھ کر بہت سے لڑکے ودیا ساگر کے طفیل کلکتہ میڈیکل کالج میں داخل ہوئے ؎

۴۱۔ شروع شروع میں کلکتہ میں لڑکوں کی تعلیم کے لئے یا تو سرکاری مدرسے تھے یا پادریوں کے سکول تھے مگر سرکاری مدرسوں میں فیس اتنی زیادہ تھی کہ غریب آدمیوں کے لئے وہاں پڑھنا ناممکن تھا پادریوں کے سکولوں میں ہندو دھرم کی توہین ہوتی تھی اور لڑکوں کے عیسائی بن جانے کا اندیشہ تھا وہاں بھی لوگ اپنے لڑکوں کو بھیجنا نہیں چاہتے تھے اس لئے کلکتہ کے معزز بنگالی اس فکر میں تھے کہ ہندوؤں کے واسطے ایک ایسا مدرسہ کھولا جاوے جہاں تعلیم عمدہ ہو اور ہندوؤں کے دھرم کی بیقدری نہ ہو۔ اس لئے بڑے مشورہ کے بعد ۱۸۵۹ء میں بابو ٹھاکر داس چکرورتی مادھو چندر دھر۔ پتت پون سین۔ گنگا چرن سین۔ جادو چندر پالت۔ وشنو چرن ادیا اور شاماں چرن ملک نے ہندو بالکوں کے لئے کلکتہ ٹریننگ سکول کے نام سے ایک مدرسہ کھولا۔ جیسا ہندوستانیوں کا قاعدہ ہے تھوڑے ہی عرصہ میں اس سکول کے منتظموں میں نا اتفاقی ہوگئی۔ ودیا ساگر مدرسوں کے انسپکٹر اور سنسکرت کالج کے پرنسپل رہ چکے تھے اور اس سکول کے

سکرٹری تھے سب لوگ جانتے تھے کہ مدرسوں کے جاری کرنے میں ان کا
تجربہ سب سے بہتر ہے اس لئے یہ سکول بھی ان کے سپرد کیا گیا۔ اپریل
۱۸۶۱ء میں ودیا ساگر نے اس سکول کی انتظامیہ کمیٹی بنائی آپ اُسکے
سکرٹری بنے راجہ پرتاپ چندر سنگھ بہادر پریذیڈنٹ بنائے گئے اور بابو رانا ناتھ
ٹھاکر۔ بابو ہیرا لال سیل۔ بابو رام گوپال گھوس۔ رائے بہادر ہرچندر گھوس
ممبر بنے۔ اور مدرسہ کا نام میٹراپالیٹن انسٹیٹیوشن رکھا گیا۔ ۱۸۶۴ء میں
انتظامیہ کمیٹی نے یونیورسٹی میں درخواست دی کہ اس سکول کو کالج بنا کر
ایف اے اور بی اے کے امتحان میں طالب علم بھیجنے کی اجازت
ہو جائے۔ یونیورسٹی والے اس بات کو کب مانتے تھے کہ ہندوستانی لوگ
کالج کا انتظام کر سکتے ہیں اور ہندوستانی اُستاد ایف اے اور بی اے کے
امتحان کے لئے لڑکوں کو پڑھا سکتے ہیں اس لئے یہ درخواست نامنظور ہوئی
پہلے پہلے ودیا ساگر کے دوست اور انتظامیہ کمیٹی کے ممبر سکول میں روپیہ
سے مدد دیتے تھے مگر بعد میں راجہ پرتاپ چندر سنگھ بہادر مر گئے اور باقی
لوگ علیحدہ ہو گئے اس لئے ۱۸۶۵ء سے سکول کا کل خرچ ودیا ساگر کے
ذمہ ہو گیا اُنہوں نے بابو کرسٹو داس پال اور دوارکا ناتھ متر جج کلکتہ ہائیکورٹ
کو اپنے ساتھ سکول کے انتظام میں شامل کیا۔ اور ۲۸ جنوری ۱۸۷۲ء کو ایک
درخواست یونیورسٹی میں پھر اسی غرض سے دی کہ سکول کو کالج بنانے کی
اجازت دی جائے۔ اُسی روز ودیا ساگر نے ایک چٹھی اپنے ایک انگریز دوست
کو جو یونیورسٹی کے سینٹ کا ممبر تھا لکھی یہ چٹھی بڑی پُر زور ہے اور ظاہر
کرتی ہے کہ ودیا ساگر اپنی قوم کے سچے خیر خواہ تھے اور ہندوستانیوں کی

ترقی کے لئے یہ ضروری سمجھتے تھے کہ اپنی تعلیم کے کام کو ہندوستانی اپنے
ہاتھ میں لیں - اُس خط میں ودیا ساگر لکھتے ہیں کہ ہماری درخواست پر بعض
شخص یہ اعتراض کرسکتے ہیں کہ ہندوستانی ایف اے اور بی اے کی
جماعتوں کو نہیں پڑھا سکتے اُس کے جواب میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ
سنسکرت کالج میں ہندوستانی پروفیسر بی اے تک تعلیم دیتے ہیں ہم بھی
اپنے کالج میں ویسے ہی لائق آدمی ملازم رکھینگے جیسے کہ سنسکرت کالج میں
ہیں - اگر ہم کو تجربہ سے یہ ثابت ہوا کہ زبان انگریزی پڑھانے کے واسطے
انگریزی پروفیسر ضرور رکھنا چاہئے تو ہم کسی انگریز کو مقرر کردینگے - بہت سے
اشخاص یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ ہم کالج کے پروفیسروں کو کیا تنخواہ
دینگے اس کی بابت میرا یہ جواب ہے کہ تنخواہ کا فیصلہ ملازم اور مالک
آپس میں کرسکتے ہیں غیر شخص کو اس بات سے کچھ تعلق نہیں نہ یونیورسٹی
کا ایسا کوئی قاعدہ ہے کہ جس کے مطابق کالج کے پروفیسروں کو خاص تنخواہ
دینی چاہیئے - میں نے اپنی عمر کا بہت سا حصہ مدرسوں کے انتظام میں
خرچ کیا ہے اس لیئے آپ اطمینان رکھیں کہ اُستادوں کے مقرر کرنے
میں اور اُن کی تنخواہ کے معاملہ میں میں مدرسہ کی بہتری کو مدنظر رکھونگا -
پریزیڈنسی کالج میں فیس بڑی زیادہ ہے - متوسط درجہ کے لڑکے وہاں
نہیں پڑھ سکتے اور چونکہ لوگ پادریوں کے کالجوں کے مخالف ہیں اُنکے
لڑکے وہاں بھی تعلیم حاصل نہیں کرسکتے - اس لیئے ہمارے کالج سے لوگوں
کو بہت فائدہ ہوگا - مدرسہ کا انتظام جج دوارکا ناتھ متر - بابو کرسٹو داس پال
اور میرے ہاتھ میں ہے اور سکول فنڈ میں اس وقت کل بج جاری کرنے

کے لئے کافی روپیہ ہے اگر کمی ہوگی ہم اپنے پاس سے خرچ کرنے کو تیار ہیں"۔

یہ درخواست منظور ہوئی اور ایف اے کے امتحان میں لڑکے بھیجنے کی اجازت ہوگئی۔ ۱۸۷۹ء میں کالج کے لڑکوں کو بی اے کے امتحان میں اور ۱۸۸۲ء میں بی ایل کے امتحان میں شامل ہونے کی اجازت ہوئی۔ جب کالج میں لڑکوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی تو ودیا ساگر کی یہ رائے ہوئی کہ اپنے نجی کے خوبصورت مکان کو توڑ پھوڑ کر کالج کے کام کے لئے درست کریں مگر دوستوں نے کہا کہ آپ اپنے رہنے کے مکان کو کیوں خراب کرتے ہیں اس لئے اُنہوں نے کالج کے واسطے تیس ہزار روپیہ میں زمین خریدی اور پھر ایک لاکھ تیس ہزار روپیہ کی لاگت سے کالج کی عالیشان عمارت تیار کی۔ یہ کل روپیہ ودیا ساگر نے اپنی ذاتی ذمہ واری پر لیا تھا۔ جب کالج کی تعمیر کے واسطے اُن کو قرضہ لینے کی ضرورت ہوئی تو اُنہوں نے زر قرضہ میں کالج کی زمین کو مکفول کیا اور دستاویز میں تحریر کیا کہ "قرضخواہ اپنے روپیہ کو اراضی مکفولہ اور میری دیگر جائداد سے وصول کرسکتا ہے اور میں اور میرے وارثان اس دستاویز کی شرائط کے پابند ہیں"۔ اس کالج کو قائم کرکے ودیا ساگر نے ہندوستانیوں کو نیا راستہ دکھایا اول تو کالج میں فیس تین روپیہ ماہوار تھی اور ہندوستانی لڑکے تھوڑے سے خرچ میں وہاں پڑھ سکتے تھے ساتھ ہی اُنہوں نے یہ ثابت کردیا کہ ہندوستانی پروفیسر بھی اعلیٰ درجہ کے کالج کو چلا سکتے ہیں۔ شروع شروع میں انگریز لوگ ہنسکر کہتے تھے کہ ہندوستانیوں سے کالج چلنا مشکل ہے۔ مگر ودیا ساگر کہتے

کم تھے اور کرنے زیادہ تھے اُنہوں نے کالج میں ایسے ایسے لائق آدمی
پڑھانے کے واسطے رکھے اور ایسا اچھا انتظام کیا کہ گورمنٹ کالج اور پادریوں
کے کالجوں کا مُنہ موڑ دیا اور میٹراپالیٹن انسٹیٹیوشن اول درجہ کا کالج بن گیا۔
۱۸۸۳ء کے گزٹ میں گورمنٹ نے اس کالج کی بڑی تعریف کی۔ ودیاساگر
غریبوں کے ساتھ تو بڑی نرمی کرتے تھے مگر کالج کے انتظام میں اُنہوں نے
اپنے بیگانے کی کبھی کچھ پرواہ نہیں کی۔ اُن کا داماد سرجو کمار ۱۸۷۶ء سے
اس کالج کا پرنسپل تھا۔ ودیاساگر کو کسی طرح سے یقین ہوگیا کہ سرجو کمار کالج
کا حساب ٹھیک پیش نہیں کرتا۔ اُنہوں نے ۱۸۸۸ء میں باوجود اُس کی
تیرہ سالہ خدمت کے اُس کو کالج سے علیحدہ کر دیا۔ اُن کی لڑکی نے اُن کے
سامنے بڑی گریہ وزاری کی مگر اُن کا ارادہ اٹل تھا۔ اُنہوں نے کسی کی بات
نہ مانی وہ کہتے تھے کہ کالج میرے گھر کی چیز نہیں ہے۔ میں پبلک کے سامنے
اُس کے اچھے انتظام کا جوابدہ ہوں جس شخص پر مجھے اعتبار نہیں میں
اُس کو ایسی ذمہ داری کی جگہ نہیں رکھ سکتا۔ اُنہوں نے نوگندر ناتھ گھوش۔
پرسنو کمار لاہری اور سارداررنجن رائے جیسے لائق آدمیوں کو اُس کالج میں پڑھانے
کیلئے مقرر کیا یہ سب باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ ودیاساگر آدمی کو خوب پرکھتے
تھے اور جانتے تھے کہ کون آدمی کس کام کے لائق ہے۔ ودیاساگر کی
عمدہ مثال دیکھ کر ملک کے خیرخواہوں نے کلکتہ میں البرٹ کالج۔ سٹی کالج
اور رپن کالج کھول دئے جن میں ہندوستانی اُستاد ہیں اور تھوڑی فیس
پر ہزاروں امیر غریب نوجوان اعلےٰ تعلیم حاصل کر کے روزی کماتے ہیں
جب تک ودیاساگر جیتے رہے میٹراپالیٹن کالج اُن کے ہاتھ میں رہا۔

اُنہوں نے اس کالج میں بہت سا روپیہ خرچ کیا مگر اُس کے فنڈ سے کبھی ایک پیسہ نہیں لیا۔ اگر فنڈ میں روپیہ زیادہ ہوتا تھا تو وہ کالج کی لائبریری کے واسطے کتابیں خریدتے تھے اس کالج کے متعلق ایک سکول بھی ہے اور اُس کی تین شاخیں ہیں۔ اوّل۔ ایک شام پاکھر برانچ جو جنوری ۱۸۸۴ء میں کھولی گئی۔ دوم۔ باؤ بازار برانچ جو ۱۸۸۵ء میں کھولی گئی۔ تیسری بڑا بازار برانچ جو ۱۸۸۷ء میں کھولی گئی۔ آجکل ودیا ساگر کے بیٹے نرائن چندر بنرجی اس کالج کے مالک ہیں بابو سرندرو ناتھ بنرجی منتظم اور نوگندرو ناتھ گھوس پرنسپل ہیں اور یہ بنگال کا بڑا مشہور کالج ہے ؂

ودیا ساگر تعلیم کے سچّے حامی اور خیر خواہ تھے وہ اُن شخصوں میں سے نہ تھے جو دوسروں کے کام کو ہمیشہ بُری نظر سے دیکھتے ہیں اور جب تک کہ کوئی سکول یا ہسپتال خاص اُن کے زیر انتظام نہ ہو اُس کے لئے ایک پیسہ بطور چندہ دینا یا کلمہ خیر کہنا گناہ سمجھتے ہیں۔ جب ڈاکٹر مہندرو لال سرکار نے سائنس کی ترقی کے لئے کلکتہ میں لکچر گاہ بنانا تجویز کیا تو اُس کے لئے ودّیا ساگر نے فوراً ایک ہزار روپیہ چندہ ڈاکٹر مذکور کو دیا اور جب ضلع مدنا پور کے سب ڈویژن گھٹال کے سکول کے لئے مکان بنایا گیا تو اُنہوں نے پانچسو روپیہ اپنی جیب سے دیا۔ علاوہ ازیں ودیا ساگر نہ صرف آپ ہی روپیہ خرچ کر کے تعلیم پھیلاتے تھے۔ بلکہ اپنے دوستوں کو بھی ہمیشہ یہی رائے دیتے تھے کہ ملک میں تعلیم پھیلاؤ۔ راجہ پرتاپ چندر سنگھ بہادر ساکن کاندی ودّیا ساگر کے بڑے مِتر تھے اور ہر ایک کار خیر میں اُن کو مدد دیتے تھے۔ راجہ صاحب نے ودیا ساگر کے مشورہ سے موضع کاندی میں

ایک اول درجہ کا انگلو ورنیکلر سکول مع عمدہ لائبریری کے قائم کیا۔ اس مدرسہ کا انتظام ودیاساگر کے ہاتھ میں تھا۔ ودیاساگر نے سات برس تک اس مدرسہ کا انتظام کیا مگر بعد وفات راجہ صاحب مذکور وہ اُسکے انتظام سے علیحدہ ہوگئے۔

سارداپرشاد سنگھ ساکن موضع جگدگی ضلع بردوان میں بڑا امیر زمیندار تھا چونکہ اُس کا کوئی بیٹا نہ تھا لوگ اُس کو یہ صلاح دے رہے تھے کہ کسی لڑکے کو متبنٰے کرلو۔ ودیاساگر سے بھی اُس نے اس معاملہ میں راے پوچھی اُنھوں نے کہا کہ جس لڑکے کو متبنٰے کروگے شاید وہ بدمعاش ہوجاسے اور تمہاری جائداد کو ضائع کردے اس لئے یہی مناسب ہے کہ کسی کو متبنٰے کرنے کی بجاے تم اپنی دولت کو ایسی خیرات میں خرچ کرو جس سے تمہارا نام ہمیشہ کے لئے قائم رہے۔ سارداپرشاد سنگھ نے ودیاساگر کی نصیحت پرعمل کیا اور اپنے گاؤں میں ایک فری مدرسہ اور خیراتی ہسپتال قایم کیا۔

بابو بہاری لال مکرجی ساکن موضع بانیچی ضلع ہگلی بڑا دولت مند شخص تھا اُس کی جائداد بہت بڑی تھی مگر اُس کے لڑکا کوئی نہ تھا اُس کو بھی لوگوں نے متبنٰے بنانے کی ترغیب دی۔ جب اُس نے ودیاساگر سے راے پوچھی تو اُنھوں نے کہا کہ تم اپنی جائداد کو رفاہ عام کے واسطے وصیت کرجاؤ۔ بابو بہاری لال نے ودیاساگر کی راے پر عمل کیا اور وصیت کی کہ ایک لاکھ ساٹھ ہزار روپیہ سے میری موت کے بعد ایک انگلو سنسکرت سکول اور خیراتی ہسپتال میرے گاؤں میں قایم کیا جائے۔ وصیت کرنے کے بعد بہاری لال مرگیا اور سرکار کی نگرانی میں مدرسہ اور ہسپتال اُسکے گاؤں میں قائم کئے گئے۔

مہارانی سرنومئی کا خاوند راجہ کرسٹو ناتھ ودیاساگر کا بڑا دوست تھا اور

اُسکی نیت تھی کہ بنگال میں ایک ایسی یونیورسٹی قایم کرے جہاں یوروپ کے لائق آدمی سائنس منطق۔ لٹریچر اور تاریخ پڑھانے کے لئے رکھے جائیں۔ راجہ صاحب موصوف نے اپنے وصیت نامہ میں تحریر کیا کہ میری کل جائداد سے یونیورسٹی قایم کی جاوے اور میری استری کو صرف ۱۰۰ روپیہ ماہوار گذارہ کے واسطے دیا جاوے مگر افسوس ہے کہ راجہ صاحب موت ناگہانی سے مر گئے اور وصیت مذکور عدالت ہائیکورٹ سے اس وجہ پر منسوخ ہوئی کہ وصیت کرنے کے وقت راجہ صاحب کے ہوش حواس درست نہ تھے اگرچہ ودیاساگر نے شہادت دی تھی کہ راجہ صاحب کے ہوش درست تھے ۔

یونیورسٹی ۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ کلکتہ یونیورسٹی کے قائم ہونے پر ودیاساگر یونیورسٹی کے فیلو بنائے گئے تھے۔ ودیاساگر جیسے مشہور تجربہ کار شخص کا یونیورسٹی میں ممبر ہونا بڑا غنیمت تھا اُن کی علمیت اور پبلک خدمات کی وجہ سے سب لوگ اُن کی عزت کرتے تھے ۔ ایک دفعہ یونیورسٹی میں یہ تجویز پیش ہوئی کہ سنسکرت کی تعلیم سکول اور کالجوں میں بند کی جاوے۔ ودیاساگر سنسکرت کے بڑے فاضل تھے۔ اُنہوں نے کہا کہ سنسکرت کی تعلیم کے بغیر ہندوستان کی قدیم تاریخ کا جاننا ناممکن ہے اور سنسکرت میں اعلیٰ خیالات فلاسفی اور پوئٹری موجود ہیں۔ اس لئے یہ بالکل نامناسب ہے کہ سنسکرت کی تعلیم کو بند کیا جاوے۔ یہ بات سُن کر یونیورسٹی کے باقی ممبر قائل ہو گئے اور سنسکرت کی تعلیم بدستور جاری رہی ۔

ٹیکسٹ بُک کمیٹی ۔ ایک دفعہ محکمہ تعلیم کے ڈائرکٹر نے ودیاساگر سے درخواست کی کہ آپ ٹیکسٹ بُک کمیٹی کے ممبر ہو جاویں۔ ودیاساگر نے کہا کہ میری بہت سی

کتابیں سرکاری مدرسوں میں پڑھائی جاتی ہیں اگر میں ٹیکسٹ بُک کمیٹی کا ممبر ہوگیا تو میری کتابوں پر آزادانہ بحث نہ ہوسکیگی اور تعلیم کے کارج کو نقصان پہنچیگا۔ اس لئے میں کمیٹی مذکور کا ممبر ہونا نہیں چاہتا۔

کتابوں کا سلسلہ۔ ودّیا ساگر کی کتابوں سے پہلے بنگالی زبان میں کوئی ایسا سلسلہ کتابوں کا موجود نہ تھا جس میں پہلی کتابیں آسان ہوں اور پھر مشکل۔ ودیا ساگر نے ورن پریچیا حصہ اول و دوم سے لے کر سیتا بن باس تک چھوٹے لڑکوں کی پڑھائی کے لئے سلسلہ وار کتابیں تیار کیں۔ یہ کتابیں بنگال کے تمام مڈل سکولوں میں جاری ہوئیں۔ ان کے علاوہ رجو پاٹھ۔ اوپ کرمنکا وِیاکرن اور کومدی ویاکرن نے لڑکوں کی پڑھائی میں بڑی مدد دی۔ یہ کتابیں بنگال کے سواء اور صوبوں میں بھی پڑھائی جاتی ہیں۔

چھاپہ خانہ۔ ودّیا ساگر اپنے ملک کے سچے خیرخواہ تھے اور تعلیم کو مُلک کی ترقی کا ٹھیک ذریعہ سمجھتے تھے۔ اُن کی طالب علمی کے زمانہ میں ودیارتھی لوگ سنسکرت کی کتابوں کو چھاپہ خانہ نہ ہونے کی وجہ سے ہاتھوں سے لکھتے تھے اس وقت کو دور کرنے کے لئے ۱۸۴۹ء میں اُنہوں نے سنسکرت پریس کھولا جس میں سنسکرت کی عمدہ عمدہ کتابیں جو پہلے کہیں نہ مل سکتی تھیں چھاپنی شروع کیں اس کے ساتھ اُنہوں نے سنسکرت پریس ڈیپازیٹری کھول دی جس میں سنسکرت پریس کی چھپی ہوئی کتابیں فروخت ہوتی تھیں سنسکرت پریس اور ڈیپازیٹری قایم کرکے ودیا ساگر نے اپنے ملک میں تعلیم کو بڑی مدد دی۔ آجکل تو چھاپہ خانے سب جگہ جاری ہیں مگر اپنے زمانہ میں چھاپہ خانہ کی ضرورت کو محسوس کرنے اور چھاپہ خانہ قایم کرنے میں ودیا ساگر اول تھے۔

اِصلاحِ قوم

ہندوستان میں سینکڑوں برس ستی کا رواج جاری رہا۔ جہانتک میں سمجھ سکتا ہوں یہ رواج ایک اعلےٰ اصول پر مبنی تھا۔ جب کوئی مرد اور عورت ایک دوسرے کو پیار کرتے ہیں اور سالوں ایک دوسرے کے رنج و راحت میں شریک رہتے ہیں۔ یہانتک کہ ایک جان ہو جاتے ہیں تو کب ممکن ہے کہ مرد ہمیشہ کے لئے اِس جہان سے کوچ کر جائے اور اُس کی پیاری استری جس کے لئے پتی برتا ہونے سے بہتر اور کوئی پرستش نہیں۔ جس کے لئے اُس پتی کے سوا، نہ کوئی مددگار ہے نہ ہو سکتا ہے اور جس کو اُس پتی نے دُکھ اُٹھا کر آرام دیا اِس دُنیا میں اُس پتی کے بغیر رہ سکے۔ سچی اور گہری محبت ہر ایک دھرم کا اصول ہے۔ ہر ایک شخص جانتا ہے کہ عورت کے واسطے کتنے خطرے ہیں۔ اِسلئے اگر پاکدامن عورتیں اپنے پتی کے بغیر اِس دُنیا کو اندھیرا دیکھ کر اُس جلتے ہوئے پتی کی چتا میں کود پڑیں تو کچھ تعجب نہیں۔ مگر یاد رکھنا چاہئے کہ ہر ایک عورت اِس قربانی کے لایق نہیں۔ اِس قربانی کا خیال انسان کے دل میں خود بخود پیدا ہوتا ہے۔ آپ کسی کو ایسی قربانی کے لئے مجبور نہیں کر سکتے۔ اس قربانی کے لئے اعلےٰ درجہ کی آتمک اور دھارمک تعلیم کی ضرورت ہے۔ قوموں کی تاریخ میں وہ وقت کہ انسان اپنے خیالات کے واسطے جان کو قربان کرتے

ہے کچھ پروا نہ کریں۔ کبھی کبھی ہوتا ہے ہندوستان کے لوگ بھی ایک زمانہ میں اُس انتک بلندی پر پہنچے تھے اور دنیا کی خوشی کو اپنے ادویش کے مقابلہ میں ہیچ سمجھتے تھے۔ سینکڑوں شوربیر راجپوت استریاں جن کو معلوم تھا کہ اُن کے پتی جُدھ میں ضرور مارے جائینگے اپنے آپ کو آگ میں ڈال کر خاک بن جاتی تھیں۔ مگر وہ زمانہ چلا گیا لوگوں کے خیالات اور حوصلے پست ہو گئے ایسی حالت میں یہ امید کرنا کہ ہر ایک عورت اپنی خوشی سے خاوند کے ساتھ ستی ہو گی۔ بالکل خلاف عقل تھا لکیر کے فقیر اصول کی تہ کو نہ سمجھ کر زمانے کی بدلی ہوئی رنگت کو نہ دیکھ کر سینکڑوں معصوم عورتوں کو زبردستی جلاتے تھے۔ یہ قبیح رسم صدیوں جاری رہی معلوم نہیں کہ اِن مظلوم عورتوں کی فریاد سے ہندوستان پر کیا کیا تباہی آئی ہے۔ اس خوفناک حالت کو دیکھ کر راجہ رام موہن رائے نے واویلا کیا۔ گورنمنٹ کے افسر بھی دل سے اِس جبر کو بند کرنا چاہتے تھے مگر غیر قوم والے ہو کر مذہبی دست اندازی سے گریز کرتے تھے۔ جب رام موہن رائے جیسے عالم معزز اور بارسوخ شخص نے ستی کے رواج کی مخالفت کی تو گورنمنٹ کے قانون نے اس ظالم رسم کو بند کیا بیوہ عورتیں ستی ہونے سے تو بچ گئیں مگر قوم کے اگیان اور ادھرم کی وجہ سے اُن کی زندگی تلخ ہونے لگی۔ بدھواؤں کے سُکھ کے لئے اول تو یہ ضروری ہے۔ کہ ہمارے لوگوں کے خیالات اور چلن اعلیٰ درجہ کے ہوں تا کہ رشتہ دار اُن کے کھانے پینے کی مدد کریں۔ اور غیر لوگ اُن کی پاکدامنی کی حفاظت کریں۔ دویم یہ بھی ضروری ہے کہ بیوہ عورتیں اپنی

زندگی پرماتما کی یاد میں گذار دیں اور دُنیا کی تکلیف کو تکلیف نہ سمجھیں۔ مگر سب لوگ جانتے ہیں کہ مُلک کی افلاس اور اودیا کی وجہ سے اور سرکار انگریزی کے قانون کی مدد سے ہمارے لوگوں کے خیالات میں عورتوں کے متعلق کیسا تنزل آگیا ہے۔ بدھواؤں کے ساتھ بعض سجن پُرش اچھا سلوک کرتے ہیں۔ مگر بہت سے لوگ جن میں کنبے کی دوسری استریاں بھی ہوتی ہیں بُرا سلوک کرتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگر زیادہ خوفناک حالتیں وقوع میں نہیں آتیں بدھواؤں کی زندگی بڑی تلخ تو ہو جاتی ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ جو عورتیں شادی کے کئی سال بعد بیوہ ہوتی ہیں۔ اور صاحب اولاد ہیں۔ اُن کو زیادہ جائے شکایت نہیں یہ بات بے شک ٹھیک ہے مگر یہ ماننا پڑیگا کہ جن عورتوں کے خاوند شادی کے بعد فوراً مر گئے ہیں اور جنہوں نے خاوند کا مُنہ تک نہیں دیکھا اُن کی حالت بے شک قابلِ رحم ہے۔

ودیاساگر نے بہت سی فرشتہ سیرت عورتیں دیکھی تھیں وہ عورتوں کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اسی وجہ سے اُنہوں نے استری سکھشا کی سہائتا کی اسی وجہ سے جب کبھی وہ عورتوں کے دُکھ کو دیکھتے تھے۔ اُن کا دل کانپتا تھا۔ شمبھو چندر واچسپتی ودیاساگر کے اُستاد تھے اُن کی عمر بڑی تھی اُنہوں نے ودیاساگر سے کہا کہ میں شادی کرنا چاہتا ہوں تمہاری کیا رائے ہے ودیاساگر نے کہا کہ آپ بہت بوڑھے ہیں آپ ہرگز شادی مت کریں۔ مگر مرد چوں پیر شود حرص جواں مے گردد۔ شمبھو چندر نے بیاہ کرا ہی لیا۔ بواہ کے بعد ودیاساگر اُن کے گھر گئے۔

اور اُن کی بیوی کے پاؤں پر سر رکھ کر پرنام کیا۔ شمبھو چندر نے کہا کہ تم اپنی
ماتا سے بات چیت کرو۔ ودیا ساگر نے جب اُس عورت کا منہ دیکھا تو وہ
نہایت ہی ناراض ہوئے اور کہنے لگے کہ تم نے اس لڑکی کی زندگی برباد
کر دی ہیں اب کبھی اِس گھر میں نہیں آؤنگا۔ اور نہ تمہارے گھر کا
پانی پیونگا۔ بیاہ کے تھوڑے عرصہ بعد واچسپتی جی مر گئے اور ودیا
ساگر کو اُن کی بیوی کے بدھوا ہونے پر نہایت ہی دُکھ ہوا۔ وہ
بدھواؤں کی تکلیف ہمیشہ دیکھتے تھے اور دل میں کہتے تھے کہ اس
دُکھ کو دور کرنے کے لئے ضرور کچھ اُپائے کرنا چاہیئے۔ ایشور پرماتما
بھی اُن کے ارادے کو پکا کرنے کے سامان کر رہے تھے۔ ایک دفعہ
بیر سنگھ میں ودیا ساگر اپنے باپ کے ساتھ مردانے مکان میں بیٹھے
بات چیت کر رہے تھے ایک بدھوا لڑکی اپنی ماں کے ساتھ ودیا ساگر
کی ماں کے پاس آئی اُس لڑکی کا حال سن کر بھگوتی دیوی کو بہت رنج ہوا وہ
ودیا ساگر کے پاس آئی اور رو رو کر کہنے لگی۔ کہ اے بیٹا تم اتنے ودوان ہو۔
تمنے اتنے شاستر پڑھے ہیں کیا چھوٹی عمر کی بدھواؤں کی دوسری شادی کے
واسطے شاستروں میں کوئی اجازت نہیں ہے۔ ماتا کا یہ بچن ودیا ساگر کے دل
میں بجلی کی طرح لگا اور اُنہوں نے ارادہ کر لیا کہ جو ہو سو ہو یہ کام ضرور کرونگا۔
اُنہوں نے فوراً شاستروں کا مطالعہ شروع کر دیا اور جب پاراسر سنہتا میں
بدھوا بواہ کی اجازت مل گئی تو وہ خوشی سے چلا اُٹھے کہ مل گیا مل گیا +

بدھوا بواہ کے متعلق پاراسر سنہتا میں یہ شلوک ہے "جو استری اپنے
پتی کے مرنے کے بعد برہم چرج (تپسیا اور ایشور دھیان) کرتی ہے

وہ برہم چاریوں کی طرح سورگ میں جاتی ہے۔ جب کسی استری کے پتی
کی خبر کئی برس تک نہ آوے یا اُس کا پتی مر جاوے۔ فقیر یا پاگل ہو
جاوے یا ذات سے خارج ہو جاوے تو وہ استری دوسری شادی
کر سکتی ہے"۔ یہ شلوک دیکھ کر ودیا ساگر نے اپنے باپ سے کہا۔ کہ
شاستروں میں لکھا ہے کہ اگر کوئی بدھوا برہم چارنی بنے تو اچھا ہے
اگر برہم چارنی نہ بن سکے تو دوسری شادی کر سکتی ہے۔ یہ بات
سُن کر اُن کے پتا خوش ہو گئے۔ ودیا ساگر نے بدھوا بواہ کے بھاری
کام کو شروع کرنے سے پہلے بڑا سوچ بچار کیا وہ اچھی طرح سے
جانتے تھے کہ لکیر کے فقیر اُن کو اور اُن کے گھر والوں کو بڑا ستائینگے
آخر کار اُنہوں نے اپنی ماتا کی بچن اور شاستروں کی اجازت کے سامنے
دنیا کی مخالفت کو ہیچ سمجھا اور کاتک بدی چوتھ ۱۸۵۵ء کو ایک
رسالہ شایع کیا جس کا نام یہ تھا "آیا بدھوا بواہ کا رواج جاری ہونا
چاہیئے یا نہیں"۔ اِس رسالہ میں اُنہوں نے بدھوا بواہ کی تائید میں
شاستروں کے شلوک درج کئے۔ اِس کتاب کا چھپنا تھا کہ تمام بنگال
میں شور مچ گیا۔ اور یہ کتاب اتنی بکی کہ ایک ہفتہ میں دو ہزار کاپیوں
کا پہلا اڈیشن ختم ہو گیا۔ دوسرا اڈیشن تین ہزار کاپیوں کا چھپا۔
پھر دس ہزار کاپیاں اَور چھپوائیں۔ یہ سب کتابیں جلد ہی ستے
بک گئیں۔ سب طرف سے ودیا ساگر پر لعنت ملامت کی بوچھاڑ
ہونے لگی۔ لوگ کہتے تھے کہ ودیا ساگر نے اپنی سنسکرت کی ودیا کو
خاک میں ملا دیا۔ اس کتاب کے چھپنے سے پہلے کلکتہ کے ایک غریب

آدمی شاماں چرن لوہار نے اپنی بدھوا لڑکی کا دکھ دیکھ کر پنڈتوں سے بدھوا بواہ کی بابت رائے پوچھی تھی۔ اُس وقت کلکتہ میں کاشی ناتھ ترک النکار بھوا شنکر ودیا رتن رام تونو ترک سدھانت ٹھاکر داس چوڑامنی اور رکت رام ودیا باگیس سمرتی جاننے والے پنڈت تھے۔ اُنہوں نے یہ رائے دی کہ شودروں میں بدھوا بواہ جائز ہے۔ مگر جب ودیا ساگر نے سب ذاتوں کے لئے بدھوا بواہ کا پرچار کیا تو ان پنڈتوں نے رائے بدل لی اور ودیا ساگر کے جواب میں بدھوا بواہ کے برخلاف رسالے نکالے۔ جب ودیا ساگر نے دیکھا کہ باوجود شاستر کی اجازت کے پنڈت اور باقی ہندو سوسائٹی جس کے سرغنہ راجہ رادھا کانت دیو تھے بدھوا بواہ کے مخالف ہیں تو اُنہوں نے پھر ایک اور کتاب بدھوا بواہ کی تائید میں چھاپی۔ اور اُس میں پنڈتوں کے اعتراضوں کا جواب دے کر نہایت رنج سے لکھا کہ مجھے امید تھی کہ اِس دیش کے لوگ شاستروں کی پیروی کرتے ہیں مگر اب مجھے معلوم ہو گیا کہ بدرسموں کے غلام زبان سے شاستروں کی عزت کرتے ہیں مگر اُن کے حکم کی پرواہ نہیں کرتے۔

معمولی ہر دلعزیز آدمی جو کسی کو ناراض کرنا نہیں چاہتا لوگوں کی مخالفت دیکھ کر بدھوا بواہ کے کارج کو کسی مناسب وقت کے لئے ملتوی کر دیتا۔ مگر ودیا ساگر کو لوگوں کی مخالفت نے بجائے ڈھیلا کرنے کے بدھوا بواہ کا پکا مددگار بنا دیا۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ اِس دنیا میں ظلم ہو رہا ہے۔ اور جو لوگ ظلم کرتے رہتے ہیں۔ ان کو اگر

روکا جائے تو وہ روکنے والے کے دشمن بن جاتے ہیں۔ اسلئے اس ظلم کو دور کرنے کے لئے بڑی ہمت کی ضرورت ہے۔ بدھوا بواہ ہیں اگر میں ہمت نہ کروں تو اور کون کریگا۔ اُدھر اُن کے ماں باپ کہتے تھے کہ اے بیٹا اس نیک کام میں قدم پیچھے نہ ہٹانا چاہیئے لوگ کتنا ہی بُرا کیوں نہ کہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں اور اگر اپنی کمزوری سے ہم بھی تمہیں چھوڑ دیں تم اس مہان کارج کو نہ چھوڑنا۔ ماں باپ ہوں تو ایسے ہی ہوں۔ بہادر لوگ اسی طرح دوسروں کا حوصلہ بڑھاتے ہیں ۔

ودیاساگر کی ثابت قدمی نے بہت سے لوگوں کو انکا مددگار بنا دیا۔ اُنکے دوستوں نے اب یہ رائے دی کہ جبتک بدھوا بواہ قانوناً جائز قرار نہ دیا جائے تب تک بدھوا بواہ میں بڑی روک رہیگی۔ اسلئے کئی ہزار آدمیوں نے جن میں راجہ جے کشن مکرجی اوترپاڑا والے بھی شامل تھے۔ گورنمنٹ میں عرضی بھیجی جس کی وجہ سے ایکٹ نمبر ۱۵ سنہ ۱۸۵۶ء پاس ہوا۔ بدھوا بواہ ہندوؤں میں جائز قرار دیا گیا۔ اور بدھوا بواہ کی اولاد مستحق وراثت مانی گئی۔ ودیاساگر کی کوشش سے پہلا بدھوا بواہ ۲۳ اگھن سمت ۱۲۶۳ مطابق سنہ ۱۸۵۶ء کو پنڈت سوریش چندر ودیارتن اور سری متی کالی متی دیوی کا ہوا۔ سوریش چندر ودوان اور اونچی ذات کے کولین برہمن تھے اور جج پنڈت کے عہدہ پر نوکر تھے۔ کالی متی دیوی بھی کولین برہمنی تھی اور اُس وقت اُس کی عمر دس برس کی تھی۔ یہ بواہ بڑے دھوم دھام سے ہوا۔ اس موقعہ پر بنگال کے

بڑے بڑے پنڈت بلائے گئے تھے۔ اور شادی کے وقت بابو رام گوپال گھوس بابو دوارکا ناتھ متر جج کلکتہ ہائیکورٹ پنڈت شمبھو ناتھ جج کلکتہ ہائیکورٹ بابو ہر چندر گھوس و دیگر بڑے بڑے آدمی موجود تھے۔ دولہن کو ایک ہزار روپیہ کا سنہری زیور دیا گیا اور دوستوں کی بڑی بھاری دعوت کی گئی قریباً پانچہزار روپیہ اس بواہ پر خرچ ہوا۔ شادی کے وقت ہزاروں آدمیوں کا اژدحام تھا۔ دوسرا بواہ کائستھوں میں ہوا لڑکی کی عمر بارہ سال کی تھی تیسری شادی میں بھی فریقین کایستھ تھے۔ لڑکی کی عمر بدھوا ہونے کے وقت دس برس کی تھی۔ دوسرے بواہ کے وقت چودہ برس کی تھی دولہا بابو راج نرائن بوس پریزیڈنٹ آدی براہمو سماج کا چچیرا بھائی تھا۔ چوتھی شادی میں دولہا بابو راج نرائن کا چھوٹا بھائی تھا۔ دولہن کی عمر ۱۴ سال کی تھی۔ اس طرح ۱۸۵۶ء میں چار شادیاں ہو گئیں۔ بابو راج نرائن بوس نے ان شادیوں میں بڑی ہمت کی لوگوں نے اُن کو بہت ستایا مگر اُنہوں نے کچھ پرواہ نہیں کی ۱۸۵۷ء میں بوجہ غدر کے اس کام کو روکنا پڑا کیونکہ لوگوں نے افواہیں پھیلا دیں کہ بدھوا بواہ کی وجہ سے غدر ہوا ہے۔ غدر کے بعد ودیا ساگر نے یہ کام پھر شروع کر دیا۔ ۱۸۵۸ء میں پانچواں بدھوا بواہ ہوا۔ جس میں دولہا اور دلہن ذات کے برہمن تھے پہلی شادی کے وقت دُلہن کی عمر ۳ سال کی تھی۔ دوسری شادی کے وقت ۸ برس کی تھی۔ یہ پانچ شادیاں کلکتہ میں ہوئیں۔ ودیا ساگر کی ماں چاہتی

تھی کہ دیہات میں بھی بدھوا بواہ کئے جاویں اس واسطے یہ کام دیہات میں بھی شروع کیا گیا۔ ۱۸۵۸ء سے ۱۸۶۵ء تک رام جیون پور۔ چندر کونا۔ شولا۔ سری نگر۔ کالکاپور۔ کھیر بائی۔ رائی کہا۔ سری رامپور۔ جاؤ گرام وغیرہ دیہات میں کتنی ہی بدھوا بواہ ہوئے۔ جن میں بیس(۲۰) الیس(۲۱) بواہ ایسے ہوئے جن میں دولہا اور دُلہن ذات کے برہمن تھے۔ باقی دولہا اور دُلہن کایستھ اور دوسری ذاتوں کے تھے ودیاساگر کی ماں ہمیشہ اس فکر میں رہتی تھی کہ وہ عورتیں جن کی دوبارہ شادی ہوئی تھی۔ کسی طرح لوگوں کی نظروں میں حقیر نہ سمجھی جائیں۔ اور اپنے آپ کو ذات سے گرا ہوا خیال نہ کریں۔ اسلئے بھگوتی دیوی اُن میں سے ایسی عورتوں کے ساتھ جو ذات کی برہمن تھیں ایک ہی تھالی میں کھانا کھاتی تھی اور جب ودیاساگر کے گھر میں برہمنوں کو کھانا کھلایا جاتا تھا تو کھانا پروسنے کا کام ان عورتوں کے سپرد ہوتا ہوتا تھا۔

بدھوا بواہ کے پرچار سے ودیاساگر نے بہت سے لوگوں کو اپنا دشمن بنالیا۔ ایک دفعہ تو اُن کے مخالفین نے مصمم ارادہ کرلیا کہ اُن کو جان سے مارڈالیں مگر ودیاساگر کے ساتھ بہت سے آدمی تھے۔ اس لئے وہ بچ گئے۔ اِن بدھوا بواہوں کا خرچ بہت تھا۔ ہر ایک شادی پر سینکڑوں روپیہ لگتے تھے۔ ودیاساگر اس بات کے سخت مخالف تھے کہ کوئی شخص زیور پہنے مگر چونکہ بدھواؤں کی عمر چھوٹی ہوتی تھی۔ اسلئے ان کو اور اُن کے ماں باپ کو خوش کرنے کے لئے شادی کے

وقت دُلہن کو اچھا قیمتی سنہری زیور دیا جاتا تھا اور ایسا انتظام کیا
جاتا تھا کہ شادی کے بعد دولہا اور دُلہن اپنا گذارہ کر سکیں اور
بھوکے نہ مریں۔ شروع شروع میں راجہ پرتاب چندر سنگھ بہادر بابو
ہیرالال سیل۔ کالی پرسنو سنگھ سارداپرشاد رائے وغیرہ دوست بدھوا
بواہ کے کارج کے لئے ودیا ساگر کو چندہ دیتے تھے۔ مگر اُن میں سے
چند شخص تو مر گئے اور باقی نے رفتہ رفتہ روپیہ دینے سے انکار کر دیا
اسلئے ودیا ساگر کو کل خرچ خود اٹھانا پڑا۔ اور قرضہ نے اُن کو ایسا
زیر بار کیا کہ وہ پھر گورنمنٹ کی ملازمت کرنے کو تیار ہو گئے۔ وہ
پریزیڈنسی کالج میں سنسکرت پروفیسر ہونا چاہتے تھے۔ بشرطیکہ
انگریز پروفیسروں کی برابر ان کو تنخواہ ملے۔ سنسکرت کے ہندوستانی
پروفیسر کو انگریز پروفیسروں کے برابر ہندوستان میں تنخواہ ملنا
ناممکن ہے۔ اِسلئے ودیا ساگر دوبارہ سرکاری ملازمت میں داخل نہ
ہوئے۔ اِس وقت اُن کے دوست بابو پیارے چرن سرکار پروفیسر
پریزیڈنسی کالج نے ایجوکیشن گزٹ میں بدھوا بواہ کے متعلق ودیا
ساگر کی ہمت کی بڑی تعریف کی اور لوگوں سے اپیل کیا کہ اس موقعہ
پر ودیا ساگر کی مدد کریں۔ جب اس تحریر کا حال ودیا ساگر کو معلوم
ہوا تو وہ نہایت خفا ہوئے اور فوراً اُنہوں نے پیارے چرن سرکار
کو لکھا کہ میں بدھوا بواہ کی خرچ میں کسی شخص کی مدد نہیں چاہتا
اگر کوئی شخص میرے پاس روپیہ بھیجیگا تو مجھے بڑی تکلیف ہوگی۔
اور خود پچاس ہزار روپیہ قرض لے کر بدھوا بواہ کی وجہ سے جو روپیہ

اُن کے سر چڑھ گیا تھا۔ وہ بیباق کر دیا۔ ہم حیران ہیں کہ اِس موقعہ پر ودیا ساگر کی فیاضی کی تعریف کریں یا اُن کے حوصلہ کی۔ درحقیقت اُس نیک کام سے ان کو سچا پریم تھا۔ اور وہ اُس کے لئے ہر ایک قربانی کرنے کو تیار رہتے تھے۔ بدھوا بواہ کی بابت ودیا ساگر کی تعریف میں کتنے ہی گیت بن گئے۔ جو لوگ گاتے پھرتے تھے۔ اُن میں سے چند معہ ترجمہ کے ذیل میں درج کرتا ہوں:۔

वेचें थाक विद्यासागर, चिरजीवि ह्ये
सदरे करे छो रिपोर्ट, विधवदेर हवे विये।
कवे हवे रामन दिन, प्रचार हवे ए आईन।
देशे देशे जेलाय जेलाय, वेरोवे हुकुम।
विधवा रमणीर विये, लेगे जावे धूम।
सधवादेर सङ्गे जावो, वरण डाला माथाये लये।
आर कने भाविस लो सई, ईश्वर दियाछेन सई।
एवार वुझि ईश्वरेच्छाय, पति प्राप्त हुई॥
राधाकान्त मनोभ्रान्त दिलन नाको सई।
लोक मुखे शुने आमरा आछि लोक लाज भये।
एकादशी उपसेर ज्वाला करीते लागित नाला।
घुचे जावे से सब ज्वाला जुडावे जीवन॥

۱۔ اے ودیا ساگر آپ کی عمر بڑی ہو۔

آپ نے سرکار میں درخواست دی ہے کہ بدھواؤں کا بیاہ ہوا کرے۔

وہ دن کب آویگا کہ ایسا قانون بن جائے۔

اور دیس دیس اور ضلع ضلع میں حکم بھیجا جائے۔

اور بدہواؤں کی شادی بڑے دھوم دھام سے ہو

بیاہ کے دنوں میں ہم اپنے سر پر شگون کی چیزیں رکھ کر سوہاگن
عورتوں کے ساتھ خوشی میں شامل ہونگی۔

اے سہیلی اب تو کیوں فکر کرتی ہے ایشور نے ہمارا مددگار پیدا
کر دیا ہے۔

اب ایشور کی (دیا ساگر کی) مہربانی سے ہم کو پتی مل جائیگا۔

راجا رادھا کانت اپنی غلطی سے بدہوا بواہ کا مخالف ہے۔

یہ بات سُن کر ہم کو ابھی برادری سے ڈر لگتا ہے۔

اِکادشی کے برت سے ہمارے سر میں درد ہوتا تھا۔

اب یہ سب تکلیفیں دور ہو جائینگی اور ہم اپنی زندگی آرام سے بسر کرینگی

दिदि फिरे छे कपाल
पति मले पति हवे
घुचिवे जञ्जाल ॥
ठेंडी छेडे घत रांडी
परिव सवे ढाकाई साडी
काने दिव झुमको ढेंड़ी
खेला ए हाल ॥
कातेर स्वरूप एकादशी

राखत वई उपवासी
सेट्ठार गलाय दिये फांसी
करिव नाकाल॥

विद्या सागर विधि पड़े
रांडेर बांधन दिलेन छिंड़े
आर आर यत गला दंड़े
सब वक्फा वेताल॥

۲- اے بہن اب ہمارے اچھے دن آ گئے ہیں
پتی کے مرنے کے بعد ہم کو دوسرا پتی ملجائیگا -
اور ہماری سب تکلیفیں دور ہو جائینگی -
بدھواؤں کو میلے کچیلے کپڑے پہننے نہیں پڑینگے -
بلکہ ہم ڈھاکہ کی عمدہ ساڑھی پہنینگی -
اپنے کانوں میں ہم جھمکے اور ڈنڈیاں ڈالینگی -
ہماری موجودہ خراب حالت آیندہ نہ رہیگی -
موت کی طرح ڈرانے والی اکادشی
ہم کو بھوکا مارا کرتی تھی -
اب اکادشی کے گلے میں پھانسی ڈال کر
اُس کو ذلیل کرو
ودیا ساگر نے شاستر پڑھ کر
بدھواؤں کی تکلیفوں کو دور کردیا -

اور باقی سب برہمن کاری ہیں

निर्दय विधातः	۳۔ اے بیرحم پرمیشور۔
केन रे हमारे	ہم کو کیوں
भारते पाठाले	عورت بنا کر
रमणी करेरे ॥	بھارت میں بھیجا ہے
भारत पुरुष	بھارت کے مرد
आत्मसुखवश	اپنے سکھ میں لولین ہیں
रमणी दुखेते	عورتوں کے دکھ سے
कातर नहेरे ॥	ان کو دکھ نہیں ہوتا
वैधव्य यन्त्रणा	بدہواؤں کا دکھ
तारत जानेना	وہ نہیں جانتے
भार्य्या वियोगे	بیوی مرنے پر
अन्येते मजेरे ॥	مرد دوسری شادی کر لیتے ہیں
हे विद्या सागर	اے ودیا ساگر
केशव किंकर	اور کیشب کیا کرتے ہو
हये अग्रसर	آگے بڑھ کر
ए दुःख नाशरे ॥	اِس دُکھ کو دور کرو

پہلا گیت شانتی پور کے جولاہوں نے دھوتیوں کے کناروں پر بُننا شروع کر دیا۔ یہ دھوتیاں ودیا ساگر پاڑ دھوتی کے نام سے مشہور ہو گئیں اور دوگنے تگنے والوں پر بکیں۔

بدھوا بواہ کا شبھ کاج و دیا ساگر کو تمام عمر عزیز رہا۔ اُنکی زندگی میں اُنکی مدد سے قریباً سو بدھوا بواہ ہوئے۔ جو کچھ کماتے تھے اُسپر لگاتے تھے۔ اور اپنی برادری کی دھمکیوں سے بالکل نہ ڈرتے تھے۔ سنہ ۱۸۷۰ء میں جب اُن کا پتر نارائن چندر ایک بدھوا سے شادی کرنے لگا تو اُنہوں نے اپنے بھائی شمبھو چندر کو یہ چٹھی لکھی "آپ لکھتے ہیں کہ اگر نارائن چندر کسی بدھوا سے شادی کریگا تو ہمارے رشتہ دار ہم کو ذات سے نکال دینگے۔ اس کے متعلق میں صرف یہ لکھنا چاہتا ہوں۔ کہ نارائن اپنی مرضی سے بدھوا کے ساتھ شادی کرنے لگا ہے۔ یہ ارادہ اُس نے میرے کہنے سے نہیں کیا۔ اس نیک ارادہ سے نارائن نے مجھے عزت بخشی ہے اور اب وہ سوسائٹی میں میرا بیٹا کہلانے کا مستحق ہے۔ میں نے اپنی عمر میں بدھوا بواہ جیسا شبھ کام اور کوئی نہیں کیا نہ مجھے امید ہے کہ اس سے اور بہتر کام میں کرسکونگا جو کچھ میرے پاس تھا وہ میں نے اس نیک کام میں خرچ کر دیا۔ اگر ضرورت ہو تو اپنی جان بھی دینے کو تیار ہوں۔ اِس عمدہ کام کے مقابلے میں رشتہ داروں کی جُدائی کچھ بھی چیز نہیں۔ اگر رشتہ داروں اور برادری کے ڈر سے میں اپنے بیٹے کو بدھوا بواہ سے روکوں تو میرے جیسا بزدل اس دُنیا میں کوئی نہ ہوگا۔ میں بڑا خوش نصیب ہوں کہ میرے لڑکے نے بدھوا سے شادی کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ میں رواج کا غلام نہیں ہوں جو کچھ کہ میں اپنے ملک کے لئے اچھا سمجھتا ہوں اُس کے کرنے میں مجھے اِس بات کی بالکل پرواہ نہیں کہ دوسرے

لوگ مجھے کیا کہتے ہیں۔ اگر برادری کے ڈر سے کوئی رشتہ دار ناراض سے یا مجھ سے علیحدہ ہونا چاہے تو مجھے اور ناراضی کو اُس کی قطعی پرواہ نہیں"۔

قوم کے سدھارنے والا آدمی تو اپنے وقت پر مرجاتا ہے مگر اُسکے خیالات زندہ رہتے ہیں اور رفتہ رفتہ تمام ملک میں پھیل جاتے ہیں بنگال میں برہمو سماج نے بدھوا بواہ کے نیک کام کو اختیار کیا پنجاب میں آریہ سماج اُس کی معاون ہے اور خوش قسمتی سے وہ لوگ بھی جو کسی خاص مذہبی فرقہ سے تعلق نہیں رکھتے۔ اس نیک کام کے مددگار ہیں۔ دیوان سنت رام صاحب جو اکالگڑھ ضلع گوجرانوالہ کے معزز کھتری خاندان میں سے ہیں اور گورنمنٹ سروس میں منصف تھے۔ اپنی بیوہ لڑکی کی دوسری شادی کرکے عمدہ مثال قائم کر چکے ہیں۔ اُنہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ بدھوا بواہ کے لئے ایک سوسائٹی بھی بنائی ہے۔ جس کے سکرٹری اُن کے عزیز لالہ جیند بھان ایم۔ اے ہیں۔ اور اب کھلم کھلا اخباروں میں اشتہار نکلتے ہیں کہ فلاں شخص بدھوا سے شادی کرنا چاہتا ہے یا فلاں بدھوا لڑکی کے لئے بر کی ضرورت ہے آجکل یہ شادیاں پنجاب میں اور دوسرے صوبوں میں نقارے کی چوٹ ہوتی ہیں مگر یاد رکھنا چاہئے کہ جس زمانہ میں ودیا ساگر نے بدھوا بواہ کا کارج شروع کیا۔ اُس وقت بنگال میں اُن کی بڑی مخالفت ہوئی۔ بڑے بڑے امیر جن کی لڑکی بدھوا ہو جاتی تھی۔ اپنے لخت جگر کے دکھ کو دیکھ کر بدھوا

بواہ کو رائج کرنے کے لئے ہزاروں روپیہ خرچ کرنے کو تیار ہوتے
تھے مگر بے سمجھ لکیر کی فقیر خلقت کے مقابلہ کرنے کا حوصلہ کون کر
سکتا تھا۔ باوجود انگریزی تعلیم کے آجکل بھی بنگال کی حالت عجب
طرح کی ہے جو لوگ نئے خیالات کے ہیں۔ اُن کا پرانے فیشن کے
آدمیوں سے کچھ تعلق نہیں۔ ودیاساگر کے زمانہ میں تو تعلیم بہت کم
تھی۔ اور اسلئے بدھوا بواہ کی مخالفت کا زور بہت زیادہ تھا۔ مگر
دھن ہے ودیاساگر اور اُن کے مددگاروں کے حوصلہ کو کہ باوجود
اس مخالفت اور خرچ کے اُنہوں نے اس نیک کام کو جاری کیا
جو ہمت ودیاساگر نے بدھوا بواہ اور رفاہ عام کے دیگر کاموں میں
ظاہر کی اُسکی بابت ۱۸۸۰ء میں گورنمنٹ کی طرف سے انکو سی آئی ای کا خطاب ملا

کولین برہمنوں میں شادی کا رواج

کولین برہمنوں میں بہت عورتوں سے شادی کرنے کا رواج مدتوں
سے جاری تھا۔ یہ خراب رسم رفتار زمانہ کے ساتھ ایسی عام ہو گئی
تھی کہ کوئی شخص اس کو بُرا نہیں سمجھتا تھا مگر اس رواج سے اِن
برہمنوں کی عورتوں پر بڑی سختی ہوتی تھی۔ کیونکہ چالیس پچاس
بیویوں کا گذارہ کرنا ہر ایک آدمی کے لئے مشکل ہے۔ کولین برہمن
شادی کے بعد اپنی بیویوں کو گھر سے نکال دیتے تھے۔ بعض کا تو
منہ تک نہیں دیکھتے تھے۔ اگر اُن کا کوئی خسر زیادہ روپیہ دیتا تھا
تو اُس کی لڑکی کو اپنے گھر میں رکھتے تھے۔ ودیاساگر کولین برہمنوں
کی بیرحمی کے حالات ہر روز سُنتے تھے۔ اور اپنے دوستوں اور

رشتہ داروں کے گھروں میں ایسے واقعات دیکھ کر بہت رنجیدہ ہوتے تھے۔ اُن کے گرو کالی کانت چٹر جی نے بھی بہت شادیاں کی تھیں اُس کی ایک بیوی اپنی اٹھارہ سالہ لڑکی کو لے کر ودیا ساگر کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ اس لڑکی کے خاوند کے چالیس بیویاں ہیں۔ وہ صرف اُن کے پاس جاتا ہے۔ جن کے ماں باپ اس کو کچھ دھن دیتے ہیں۔ میرے پاس روپیہ نہیں اسلئے میری لڑکی بدھوا کی طرح رہتی ہے۔ میرا بھی کوئی گذارہ نہیں کرتا کیونکہ کالی کانت کا بھی یہی حال ہے۔ یہ بات سُن کر ودیا ساگر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور اُنہوں نے اُن عورتوں سے کہا کہ اب تم کو کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ اُسکے بعد اُنہوں نے کالی کانت کو بُلا کر کہا کہ مجھ کو تمہاری کارروائی پر افسوس ہے۔ اگر تم اِن عورتوں کی حفاظت کرو تو میں اپنی گرہ سے اُن کا خرچ دیتا رہونگا۔ اُس نے یہ بات منظور کر لی۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد ودیا ساگر کو معلوم ہوا کہ کالی کانت نے ان عورتوں کو پھر گھر سے نکال دیا یہ بات سُن کر ودیا ساگر کو بہت دکھ ہوا۔

ودیا ساگر نے اپنے دل میں کہا کہ ایک ایک بیمار کا علاج کرنے سے بیماری کا دور ہونا مشکل ہے۔ اِس بیماری کو کل سوسائٹی سے دور کرنا چاہیئے۔ جب تک کولین برہمن چالیس پچاس عورتوں سے شادی کرتے رہینگے۔ اُن کی بیویوں کا بُرا حال رہیگا۔ اسلئے ایسی شادی کے رواج کو جڑ سے اُکھیڑنا چاہیئے۔ دسمبر ۱۸۵۵ء میں ودیا ساگر نے اس رواج کو دور کرنے کی غرض سے ایک سوسائٹی

بنائی اور ایک عرضداشت جس پر مہاراجہ مہتاب چندر بہادر ساکن بردوان۔ راجہ ستیش چندر ساکن ندیا۔ راجہ پرتاب چندر سنگھ بہادر ساکن کاندی اور بہت سے ذی عزت آدمیوں کے دستخط تھے۔ گورنمنٹ میں اس غرض سے بھیجی کہ کولین برہمنوں کی ذات سے ایک ہی وقت میں ایک سے زیادہ عورتوں کے ساتھ شادی کرنے کا رواج قانوناً بند کیا جائے۔ سر سیل بیڈن صاحب جو اس وقت گورنمنٹ آف انڈیا کے رکن اعظم تھے۔ اس عرضداشت کے معاون تھے مگر چونکہ ودیا ساگر ان دنوں میں بیمار ہو گئے اور ۱۸۵۷ء کے غدر کا اندیشہ تھا۔ اس عرضی سے کچھ فائدہ نہ نکلا مگر ودیا ساگر کسی کام کو ادھورا نہیں چھوڑتے تھے ۱۸۶۲ء میں راجہ دیو نرائن سنگھ ساکن بنارس گورنر جنرل کی کونسل کے ممبر ہوئے۔ ودیا ساگر نے اُن کی مدد سے کولین برہمنوں کے شادیوں کے متعلق قانون پاس کرانا چاہا مگر راجہ صاحب مذکور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد کونسل سے علیحدہ ہو گئے۔ اور قانون پاس نہ ہو سکا۔ ۱۸۷۱ء میں ودیا ساگر نے ایک کتاب جس کا نام یہ تھا "آیا مردوں کی زیادہ شادیوں کی رسم بند ہونی چاہیئے" بنگالی میں شایع کی۔ اُنھوں نے اس کتاب میں شاستروں کا پرمان دے کر ثابت کیا کہ کسی مرد کی ایک ہی وقت میں ایک سے زیادہ بیویاں نہیں ہونی چاہیئے۔ اور جتنے کولین برہمن اُس وقت بنگال میں رہتے تھے۔ اُن کے نام معہ اُنکی بیویوں کی تعداد کے اس کتاب میں درج کئے۔ اس کتاب کے نکلتے ہی

بنگال میں کہرام مچ گیا۔ ۱۸۷۲ء میں ایک اور کتاب اِس مضمون پر لکھی اور پھر بڑا شور ہوا۔ کولین برہمن تو ودیا ساگر کے جانی دشمن ہو گئے۔ مگر وہ کسی کی مخالفت کی کیا پرواہ کرتے تھے۔ اگرچہ کوئی خاص نتیجہ اُس وقت ودیا ساگر کی کوشش سے ظاہر نہیں ہوا۔ اور وہ اِس بات سے نہایت غمگین ہوئے۔ مگر آہستہ آہستہ لوگوں کے خیالات میں فرق آنے لگا۔ کولین برہمن بھی سمجھنے لگ گئے کہ یہ رسم بڑی دُکھ دائک ہے اور رفتہ رفتہ اُنہوں نے اِس خراب رسم کو بند کر دیا۔

براہمو سماج میں شادی کا قانون۔ اس مضمون پر کہ آیا براہمو سماج کے طریقہ سے شادیاں قانوناً جائز ہیں یا نہیں۔ براہمو سماج کے دونوں فرقوں میں بڑا اختلاف تھا آدی براہمو سماج والے کہتے تھے کہ ہندو شاستروں کے مطابق یہ شادیاں جائز ہیں۔ نئے قانون کی ضرورت نہیں۔ مگر کیشب چندر سین کا فرقہ کہتا تھا کہ ہندو شاستروں کی رو سے براہمو سماج کی شادیوں کا جواز نہایت مشتبہ ہے۔ اسلئے مناسب ہے کہ براہمو سماج کی رسم کے مطابق جو شادیاں ہوں اُنکو جائز قرار دینے کے لئے نیا قانون بنایا جائے۔ بنگال کے پنڈت آدی براہمو سماج کے برخلاف تھے۔ اُنہوں نے بنارس کے پنڈتوں کو اپنی طرف کرنا چاہا۔ بابو کیشب چندر سین کے کہنے سے ودیا ساگر نے بابو لوک ناتھ متر کو جن کا بنارس کے پنڈتوں میں بڑا رسوخ تھا چٹھی لکھی جس کا مضمون یہ تھا: "آپ کو معلوم ہے کہ براہمو سماج میں براہمو شادیوں کے متعلق بڑا جھگڑا ہو رہا ہے۔ میری رائے میں یہ نہایت ضروری ہے۔ کہ اِن شادیوں کو جائز قرار دینے کے لئے

قانون بنایا جاوے۔ اگر قانوناً براہمو شادیاں جائز نہ ہوں تو نہ عورتوں کو اپنے خاوندوں کی جائداد میں حصہ ملیگا۔ اور نہ اولاد کو اپنے والدین کی جائداد میں۔ چونکہ ہندو شاستروں کے مطابق یہ شادیاں جائز نہیں اسلئے براہمو عورتوں اور بچّوں کی حفاظت کے لئے قانون کا ہونا ضروری ہے۔ میں براہمو سماج کا ممبر نہیں ہوں اور مجھ کو معاملہ زیر بحث سے کچھ تعلق نہیں۔ مگر چونکہ براہمو شادیاں ہو رہی ہیں۔ اس لئے اُن شادی شدہ عورتوں اور اُن کی اولاد کی آیندہ بہبودی کے لئے کوئی قانون ضرور بننا چاہیئے۔ بابو کیشب چندر سین کے کہنے سے میں آپ سے درخواست کرتا ہوں۔ کہ آپ کوشش کر کے بنارس کے پنڈتوں کی رائے آدی براہمو سماج کے حق میں نہ ہونے دیں۔ اگرچہ مجھے یقین ہے کہ بنارس کے پنڈت خود ہی آدی براہمو سماج کی رائے سے اتفاق نہ کرینگے مگر پھر بھی خبردار رہنا مناسب ہے"۔ آخرکار بابو کیشب چندر سین کی کوشش سے ایکٹ نمبر ۳ سے ۱۸۷۲ء پاس ہو گیا۔ جس کی رو سے براہمو مرد اور عورتوں کی شادیاں جائز قرار دی گئیں۔

شراب نوشی کی مخالفت۔ بابو پیارے چرن سرکار شراب نوشی کے سخت مخالف تھے۔ اُن کی کوشش سے بنگال ٹمپرنس سوسائٹی قائم ہوئی۔ اُنہوں نے انگریزی اور بنگالی میں رسالے لکھ کر شراب نوشی کے برخلاف خوب پرچار کیا۔ ودیا ساگر نے جو اُن کے بڑے دوست تھے اس کام میں بابو پیارے چرن سرکار کی بڑی مدد کی اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ

ودیاساگر

ہیں حیران ہوں کہ ودیاساگر کی فیاضی کا حال کہاں سے شروع کروں اور کہاں ختم کروں۔ ودیاساگر کی فیاضی طرح طرح سے ظاہر ہوتی تھی۔ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ کہ انہوں نے ملک میں سکول اور کالج قایم کئے۔ بدھوا بواہ کا اُتم کارج ہاتھ میں لیا۔ اور باوجود وقتوں کے نبھایا۔ اگر وہ سوا ان دو باتوں کے اور کچھ نہ کرتے تو بھی مُلک کے مہاپُرشوں میں گنے جانے کے اچھی طرح سے لایق تھے۔ مگر تعلیم کا پھیلانا اور بدھواؤں کا بواہ کرنا اُن کی فیاضی کا جُزوی اظہار تھا ان کے دل میں بنی نوع انسان کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری تھی اُن کے لئے ناممکن تھا کہ وہ کسی شخص کو تکلیف میں دیکھیں۔ اور حسب توفیق اُس کی مدد نہ کریں۔ چھوٹی عمر میں جب اُن کو آٹھ روپیہ ماہوار وظیفہ ملتا تھا۔ تب بھی وہ وظیفے کا روپیہ اپنے وویارتھی ساتھیوں کی مدد میں خرچ کرتے تھے۔ جب وہ بڑے ہوئے تو اپنے گاؤں میں جا کر سینکڑوں روپیہ کے کپڑے غریبوں میں تقسیم کرتے تھے۔ جب سیر کے لئے جایا کرتے تھے۔ تو ہمیشہ بیس بائیس روپیہ کی دوانیاں چونیاں لے کر نکلتے تھے۔ اور اپاہجوں کو دیتے تھے۔ بعض اوقات وہ اپنی دھوتی اور چادر بھی کسی غریب

کو دیدیتے تھے۔ اور اُس کے پھٹے پُرانے کپڑے پہن کر گھر آجاتے
تھے۔ کلکتہ میں درگا پوجا کے وقت اُن کے مکان پر پانچہزار روپیہ
کی دھوتیاں غریبوں میں تقسیم ہوتی تھیں۔ اور اس موقعہ کے علاوہ
سال بھر میں تین چار ہزار روپیہ کی دھوتیاں اور کپڑے دیئے
جاتے تھے۔ ایک دوکان کپڑوں سے ہمیشہ بھری رہتی تھی۔ جو
کوئی مانگنے آتا تھا۔ اُس کو نقدی اور دھوتیوں کا جوڑا دیا جاتا تھا
معمولی حالت میں قریبًا ایک ہزار روپیہ ماہوار ودیا ساگر خیرات
میں خرچ کرتے تھے۔ جب وہ ضلع ندیا بردوان ہگلی۔ اور مدناپور
کے مدرسوں کے انسپکٹر تھے۔ تو ہمیشہ دورہ جانے کے وقت اپنی
پاکٹ میں بہت سی تعداد اٹھنی۔ چونی۔ دوانیوں کی لیجایا کرتے
تھے اور جہاں کوئی محتاج ملتا تھا۔ اُسے دیتے تھے۔ دورے میں
بہت سے غریب لڑکے ان سے مدد مانگتے تھے۔ ودیا ساگر نے
بہت سے ایسے غریب لڑکوں کو دیہاتی مدرسوں میں پڑھا کر کلکتہ
کے کالج میں داخل کیا۔ اسی طرح بہت سے لڑکے جنہوں نے بڑے
ہوکر عزت حاصل کی۔ ودیا ساگر کی مدد سے روزی کمانے کے لایق
ہوئے۔ بہت سے غریب لڑکوں کو وہ پیسے دے کر رخصت کردیتے
تھے۔ بعض کو اپنے گھر لے آتے تھے چاہے اُن کے لئے کوئی کام ہو
یا نہ ہو۔ جب ودیا ساگر نے بیر سنگھ میں بھگوتی ودیالہ کھولا تو اُس
وقت اُن کے گھر میں ساٹھ غریب لڑکوں کو کھانا دیا جاتا تھا۔ ودیا
ساگر جو بڑے بڑے آدمیوں کی کبھی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ اور

جو جی میں آتا تھا جھٹ کہہ دیتے تھے غریب لڑکے لڑکیوں کے ساتھ
بڑی نرمی اور محبت سے پیش آتے تھے۔ اور جہاں تک ہو سکتا تھا
اُن کی مدد کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک گاؤں کے لڑکے نے اُن سے
پیسہ مانگا۔ اُنہوں نے پوچھا کہ تو پیسہ کیا کریگا۔ اُس نے کہا کہ آم
لے کر کھاؤنگا۔ اُنہوں نے کہا کہ اگر تجھ کو دو پیسہ دوں۔ اس نے
کہا کہ آم لے کر آج بھی کھاؤنگا اور کل بھی اُنہوں نے کہا کہ اگر دو آنہ
دوں۔ اُس نے جواب دیا کہ آم خرید کر بیچونگا۔ اور نفع جمع کرونگا۔
یہ سُن کر ودیا ساگر نے اُس کو کچھ نقدی دی اور کہا کہ کچھ عرصہ کے
بعد میں تمہارا حساب لونگا۔ اس لڑکے کے نصیب اچھے تھے۔
اس نے ودیا ساگر کے عطیہ کو بڑی عقل سے خرچ کیا۔ بعد میں
جب ودیا ساگر نے اس سے حال دریافت کیا تو وہ بڑے خوش
ہوئے۔ اور بہت سے روپے دیکر اُسکو ایک بڑی دُکان کھلوادی۔

ایک دفعہ ودیا ساگر پنڈت شیوناتھ شاستری کے مکان پر
بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک نو سالہ لڑکی وہاں سے گذری ودیا ساگر
نے شاستری جی سے پوچھا کہ یہ لڑکی کون ہے۔ انہوں نے کہا کہ
یہ بدھوا ہے۔ یہ بات سُن کر اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے
اُنہوں نے شاستری جی سے کہا کہ اس لڑکی اور اُس کے باپ کو میرے
پاس بھیجنا۔ جہانتک مجھ سے ہو سکیگا۔ میں اُن کی مدد کرونگا۔
لڑکی کا باپ اور لڑکی ودیا ساگر سے ملے۔ اُنہوں نے دونوں کو کچھ
نقدی دی۔ اور نئے کپڑوں کا جوڑا دیا اور کہا کہ جب تم کو مدد کی

ضرورت ہو تو میرے پاس آنا۔
جب ودیا ساگر کلکتہ میں پہلی دفعہ آئے تھے۔ اُنکا باپ جگدر لوسنگھ نامی ساہوکار کا ملازم تھا جگدر لوسنگھ کے گھر کی استریاں ودیا ساگر سے بڑی محبت کیا کرتی تھیں۔ ودیا ساگر اُس وقت بڑے غریب تھے۔ اور ان کے باپ کا آقا بڑا امیر تھا۔ غریب بچے سے اگر کوئی امیر مرد یا عورت محبت کرے تو وہ بچہ ان کا بڑا ہی مشکور ہوتا ہے۔ اسلئے ودیا ساگر اس خاندان اور اُس کی مہربانی کو تمام عمر نہ بھولے۔ جب وہ مدرسوں کے انسپکٹر تھے تو ایک دفعہ قصبہ کانڈی میں مدرسہ کا امتحان لینے گئے۔ جب امتحان لے چکے تو کسی نے اُن سے کہا کہ ایک استری آپ سے ملنا چاہتی ہے۔ جب ودیا ساگر اس استری سے ملنے گئے تو دیکھا کہ وہ ان کے پرانے مربی جگدر لوسنگھ کی بیٹی کھیترمونی دیوی ہے۔ جس کو وہ اپنی گود میں کھلایا کرتے تھے۔ جونہیں اُس لڑکی نے ودیا ساگر کو دیکھا وہ زار زار رونے لگی اور کہنے لگی کہ اے چچا میرے باپ کا گھر تباہ ہو گیا۔ میرا خاوند بالکل غریب ہے اور اُس نے اپنے رشتہ داروں کے پاس مجھے یہاں چھوڑ رکھا ہے۔ ودیا ساگر یہ بات سُن کر بڑے اُداس ہوئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس لڑکی کو اُس کے باپ نے بڑی محبت سے پالا تھا۔ انہوں نے اُس لڑکی کو کہا کہ تمہارے باپ نے میری پرورش کی تھی اُس کا احسان میں بھول نہیں سکتا۔ جب تک تم زندہ رہو گی میں تم کو عـلـہ ماہوار دیتا رہونگا۔ یہ بات کہکر ودیا ساگر مکان سے باہر چلے آئے۔ اور اُنہوں نے

بڑی مشکل سے اپنے آنسو بند کئے۔ بعد میں جگدر لو سنگھ کی بیٹے بھوبن موہن کو بھی اُنہوں نے ست ماہوار دینا شروع کیا۔ کیونکہ اب اُن کا خاندان بالکل کنگال ہو گیا تھا۔

ایک شخص لکھشمی نرائن ساکن ندیا للعہ ماہوار کا ملازم تھا۔ مگر چونکہ اُس کے گھر کے آدمی زیادہ تھے۔ اُس کا تھوڑی تنخواہ میں گذارہ نہیں ہوتا تھا۔ اپنی حالت کو اچھی کرنے کے لئے اُس نے نوکری چھوڑ دی اور میڈیکل کالج میں داخل ہو گیا۔ مگر گھر والوں کا گذارہ روپیہ کے بغیر مشکل تھا۔ اُس کی پھر نیت ہوئی۔ کہ نوکری کر لے۔ آخر کار وہ ودیا ساگر سے ملا اور انہوں نے اُسکو ۵للعہ ماہوار دو سال تک دئے۔

پنڈت رکھل داس نیائے رتن ساکن بھاٹ پاڑا کو ودیا ساگر نے آٹھ سال تک عہ۱۵ ماہوار دئے۔

پنڈت جگن موہن ترک النکار ودیا ساگر کے پاس آیا۔ اور کہنے لگا کہ مجھے پانچ سو روپے کی بڑی ضرورت ہے اگر روپئے نہ ملے تو مجھے خودکشی کرنی پڑیگی۔ ودیا ساگر نے اُس کی زبان کا اعتبار کر کے اُس کو پانچ سو روپے قرض دیدئے۔ مگر ان کو اس روپیہ میں سے کچھ وصول نہیں ہوا۔

ایک اور پنڈت ساکن جہان آباد کو اُنہوں نے دو سو روپیہ قرض دئے۔ مقروض نے یہ روپیہ واپس نہ دیا۔

ایک شخص کھتر موہن ہلدار ساکن کالی گھاٹ کو ودیا ساگر نے چار سو روپے قرض دئے مگر اُس شخص نے یہ روپیہ ادا کر دیا۔

ایک شخص وشنو چرن سرکار نے ودیاساگر سے آٹھ سو روپے قرض لئے۔ ودیاساگر نے یہ روپیہ خود قرض لے کر اس کو دیا مگر اُس نے ودیاساگر کو کچھ ادا نہ کیا۔ لاچار ودیاساگر کو خود یہ روپیہ دینا پڑا۔

شاماں چرن چٹرجی ساکن سندی پور (ضلع ہگلی) ودیاساگر کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مجھے پانچسو روپے کی سخت ضرورت ہے اگر یہ روپیہ نہ ملا تو میری ساری جائداد برباد ہو جائیگی۔ ودیاساگر نے اس کو یہ روپیہ دیدیا مگر مقروض سے ان کو کچھ وصول نہ ہوا۔

ایک دفعہ ودیاساگر اپنے دوست شاماں چرن بسواس کے مکان پر بیٹھے تھے۔ اتنے میں دو شخص رام کومل مسترا اور گوراچند ردت ایک چپراسی کی حراست میں ان کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ پانچسو۵۰۰ کی ڈگری میں ہم گرفتار ہو گئے ہیں۔ ودیاساگر نے پانچ سو۵۰۰ روپیہ قرض لے کر اُن کو دئے۔ اُنہوں نے اپنے ڈگریداران کو یہ روپیہ دیدیا۔ اور قید سے رہا ہوئے۔ مگر ودیاساگر کا روپیہ واپس نہ کیا۔

بابو پرسنو کمار سرابادھکاری نے ودیاساگر کی ضمانت سے صہ۵۰۰۰ قرض لیا اُن سے یہ قرضہ ادا نہ ہوا۔ ان کے مرنے کے بعد ودیاساگر کو یہ روپیہ خود ادا کرنا پڑا۔

اس متفرق خرچ کے علاوہ وہ مستقل طور پر بھی بہت سے محتاجوں کی مدد کرتے تھے بنارس میں بہت سے پردیسی بنگالی اس غرض سے رہتے ہیں کہ وہاں پر ایشور کا دھیان کریں اور دنیا کے جھگڑوں سے دور رہیں۔ ودیاساگر اپنے مذہبی خیالات کو انسانی ہمدردی میں کبھی سدراہ ہونے

نہیں دیتے تھے۔ اگر کوئی شخص مدد کا مستحق معلوم ہوتا تھا۔ وہ اسکی مدد کرنے کو تیار تھے چاہے وہ کلکتہ میں براہمو سماج کا ممبر ہو۔ یا بنارس میں شوجی کا بھگت ہو۔ اسلئے بہت سے مرد اور عورتیں۔ جو بنارس میں رہتی تھیں۔ ودیا ساگر کی طفیل اپنا گذارہ کرتی تھیں۔ اُن میں سے چند کا نام درج کرتا ہوں۔

(۱) پنڈت مدن موہن ترک النکار کے مرنے کے بعد اُن کی ماں اور بیوی کا آپسمیں میل نہ رہا۔ مدن موہن کی ماں نے ودیا ساگر سے شکایت کی اور کہا کہ مجھے بنارس بھیجد یجئے۔ اُنھوں نے اُس کو بنارس بھیج دیا۔ اور وہاں اٹھارہ سال تک اُس کو خرچ دیا اپنی وصیت میں بھی اُس کے لئے آٹھ روپیہ ماہوار مقرر کئے۔

(۲) بھارت چندر شرومنی کے گرو کی لڑکی کو بنارس میں دس سال تک چار روپیہ ماہوار

(۳) بندھا باشنی دیوی کو ۱۲ سال تک تین روپیہ ماہوار۔

(۴) باپو دیو شاستری کو دو روپیہ ماہوار۔

(۵) تارا کانت بنرجی کو چار روپیہ ماہوار۔

(۶) رادھا کانت چکر ورتی کو تین روپیہ ماہوار۔

(۷) اپنے دادا کی بہن کی لڑکی کو ۱۳ سال تک چار روپیہ ماہوار

(۸) اپنے باپ کے پروہت رام منک ترک النکار کو دس روپیہ اور پھر پندرہ روپیہ پندرہ سال تک۔

(۹) اپنے باپ کے بید پاٹھی پروہت چنتامن بھاٹ کو تین روپیہ ماہوار

دیئے۔ چونکہ ودیاساگر ہندو سوسائٹی میں پیدا ہوئے تھے۔ اس لئے ہندوؤں سے ہی ان کا تعلق تھا اور اُن کی سخاوت سے ہندوؤں کو ہی بہت فائدہ پہنچا۔ مگر خیرات دینے کے وقت وہ اپنی طرف سے ذات پات کی بالکل تمیز نہیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ وہ تبدیل آب و ہوا کے لئے بردوان گئے۔ وہاں غریب مسلمانوں کو پیسے اور کپڑے دیا کرتے تھے۔ بعض کو تو اس قدر نقدی دیتے تھے کہ وہ دُکان کھول کر اپنا گذارہ کر سکیں۔ ایک غریب مسلمان کی لڑکی کی شادی کا کل خرچ اُنہوں نے اپنی جیب سے دیا۔ داتا دے بھنڈاری کا پیٹ پھٹے۔ ودیاساگر کے باورچی ہرکلی نامی نے ایک دفعہ کسی غریب کو جھڑک کر کہہ دیا کہ ودیاساگر کیا آم کا درخت ہے جو تم سارا دن یہاں بھیک مانگنے آتے ہو اور کسی وقت چین لینے نہیں دیتے یہ بات سُن کر ودیاساگر بڑے ناراض ہوئے۔ اور اُس شخص کو جو پچیس ۲۵ سال سے اُن کا ملازم تھا دو روپیہ ماہوار پنشن دے کر اپنی ملازمت سے علیحدہ کر دیا۔

جب ودیاساگر چندر نگر میں رہتے تھے۔ اُن کے پاس ایک اندھا مسلمان فقیر اور اُس کی بیوی آئے۔ اور کہنے لگے کہ دہی اور پوری کھانے کو جی چاہتا ہے۔ ودیاساگر نے فوراً دہی اور پوری اُن کو کھانے کے لئے دی اور دو روپیہ نقد دیکر کہا کہ میں تم کو دو روپیہ ماہوار دیا کرونگا۔ اور ہر ہفتہ آکر تم پوری اور دہی کھا جایا کرو۔

ایک دفعہ دو لڑکے جو مدراسی برہمن تھے۔ مگر عیسائی ہوگئے تھے

کلکتہ میں آئے اُن کی حالت بالکل خراب تھی۔ اور وہ در بدر مانگتے پھر رہے تھے۔ اُن کے لئے چندہ کی فہرست کھولی گئی۔ برٹش انڈین ایسوسی ایشن کے بڑے بڑے ممبروں نے چندہ دینے کا وعدہ کیا مگر کل چندہ سات آٹھ روپیہ سے زیادہ نہ ہوا اور یہ بھی وصول ہونا مشکل معلوم ہوتا تھا۔ یہ لڑکے ودیاساگر کے پاس پہنچے جب اُنہوں نے فہرست میں بڑے بڑے آدمیوں کے نام دیکھے۔ تو فوراً فہرست پھاڑ دی۔ اور اپنے ملازم کو کہا کہ اِن لڑکوں کو چودہ روپے اور دھوتی کا نیا جوڑا ماہوار دیا کرو اور جو کچھ اُن کو ضرورت ہو دیتے رہو مگر بعد ہماری اجازت کے تیس روپے ماہوار سے زیادہ نہ دینا۔ مائیکل مدھوسودن دت بنگال کے بڑے مشہور شاعر تھے مگر شاعروں کی طرح اُنہیں روپیہ کا انتظام نہ آتا تھا۔ اُنہوں نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ اور انگریزی بیوی سے شادی کر لی تھی۔ بیرسٹر ہونے کے لئے ولایت چلے گئے۔ پیچھے سے ہندوستان میں جو اُن کے دوست تھے۔ انہوں نے ان کی جائداد کی آمدنی خورد بُرد کرنی شروع کر دی۔ اور دت صاحب کے پاس کچھ روپیہ روانہ نہ کیا غیر ملک میں روپیہ کے بغیر مشکل سے گذارہ ہوتا ہے۔ ان کے دوستوں کی بدسلوکی کی وجہ سے اُن کی بیوی اور بچے بھی کلکتہ سے ولایت چلے گئے۔ اتنے لوگوں کا گذارہ ولایت میں روپیہ کے بغیر کس طرح ہو۔ جب کچھ چارہ نہ دیکھا تو اُنہوں نے ودیاساگر کو خط لکھا کہ "میرے دوستوں نے جن کے سپرد میری جائداد تھی۔ میرے پاس

روپیہ نہیں بھیجا میں نہایت تنگ ہوں بہت سے لوگوں کا قرضہ
میرے ذمہ ہے۔ نادہندی کی وجہ سے مجھے جیلخانہ جانا ہوگا مشکل یہ
ہے کہ میرے گھر میں بچہ ہونے والا ہے۔ آپ کے سوا مجھ کو اور کوئی
مددگار نظر نہیں پڑتا۔ میں جانتا ہوں کہ جس طرح ماں اپنے بچے سے
محبت کرتی ہے۔ اُس طرح آپ سب لوگوں سے محبت کرتے ہیں اگر
آپ نے روپیہ بھیجدیا تو بچ جاؤنگا۔ ورنہ میری حالت زیادہ خراب
ہوگی۔ اور میرا بیرسٹر ہونا مشکل ہو جائیگا" یہ ذکر جون سنہ ۱۸۶۴ء کا ہے۔
ودیاساگر ایسے معاملہ میں کب چُوکنے والے تھے۔ اُنہوں نے فوراً پندرہ
سو روپیہ دت کے پاس روانہ کردیا۔ ایسے موقعہ پر روپیہ کا پہنچنا دت
کے لئے بڑا غنیمت تھا۔ اُنہوں نے روپیہ لے کر خدا کا شکر کیا۔ اور
ودیاساگر کو مفصلہ ذیل چٹھی لکھی :-

فرانس۔ ورسیلیز۔ ۲ ستمبر سنہ ۱۸۶۴ء

میرے مہربان دوست پچھلے مہینے کی ۲۸ تاریخ کو میں اپنے کتاب
گھر میں بیٹھا ہوا تھا میری بیوی روتی ہوئی میرے پاس آئی اور کہنے
لگی کہ بچے میلہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ مگر میرے پاس نقدی بہت تھوڑی
ہے۔ کیا وجہ ہے کہ وہ لوگ جنکے سپرد بنگال میں ہماری جائداد ہے۔ ہم کو
اس طرح ستا رہے ہیں۔ یہ بات سن کر میں نے کہا کہ آج ڈاک آنے
والی ہے اور ضرور کچھ نہ کچھ خبر ہندوستان سے ہمارے پاس آویگی۔
کیونکہ جس شخص (ودیاساگر) سے میں نے مدد کی درخواست کی ہے۔
اُسکی لیاقت اور عقل پرانے رشیوں جیسی ہے۔ اسکی ہمت انگریزوں

جیسی ہے اور اُس کا دل ایک بنگالی ماں کے دل کی طرح نرم ہے میرا
خیال ٹھیک تھا۔ کیونکہ تھوڑی دیر بعد آپ کا خط معہ پندرہ سو روپے
کے پہنچا۔ اے میرے بزرگ صاحب حوصلہ اور مہربان دوست میں
آپ کا شکریہ کس طرح ادا کروں۔ آپ نے مجھ کو بربادی سے بچادیا
چونکہ اب آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا ہے۔ مجھے کامل یقین ہے کہ آیندہ
مجھے کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ کیا میرا یہ خیال ٹھیک نہیں ہے کہ آپکا
دل ایک بنگالی ماں کے دل کی طرح نرم ہے" اس خط کے آنے
کے بعد ودیا ساگر نے پھر کئی دفعہ دت کے پاس روپیہ بھیجا۔ قریباً
چھ ہزار روپیہ قرض لے کر اُنہوں نے دت کی مدد کی اور جب وہ بیرسٹر
ہو کر کلکتہ میں واپس آگئے تو ودیا ساگر نے اُن کی کاروبار وکالت
کے چلانے میں بھی بہت کوشش کی۔ ×

ودیا ساگر کو کلکتہ میں بڑا کام کرنا پڑتا تھا جب کبھی زیادہ دق ہو جاتے تھے تو وہ
کرمتار نامی گاؤں میں جہاں سنتھال لوگ رہتے ہیں چلے جاتے تھے۔
وہاں اُنہوں نے ایک مکان اور باغ بنوایا تھا کلکتہ کے شور سے
بچ کر وہ اس ایکانت جگہ میں مطالعہ کیا کرتے تھے۔ کرمتار میں
سنتھال لوگوں سے اُن کی بڑی محبت ہوگئی۔ وہ لوگ اگرچہ اَن پڑھ
تھے مگر طبیعت کے سادہ اور سچے تھے۔ ودیا ساگر اُن لوگوں کی
بڑی مدد کرتے تھے اُن کے کھانے کے واسطے رش گولہ وغیرہ
مٹھائیاں لے جاتے تھے ایک دفعہ کھجوروں سے بھری ہوئی بارہ
بوریاں ان کے واسطے لے گئے۔ اُن لوگوں میں گرم کپڑے۔ اور

دھوتیاں تقسیم کرتے تھے۔ ان کے بیماروں کا علاج کرتے تھے اور اُن کے بچوں کی تعلیم کے لئے کرمتار میں مدرسہ بھی کھول دیا۔ وہ لوگ بھی ودیا ساگر کی مہربانیوں کے بڑے مشکور تھے۔ جو کچھ اُن کے کھیت میں اچھی چیز ہوتی تھی ودیا ساگر کی نذر کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک شخص مرغیاں اور انڈے ودیا ساگر کے پاس لایا اور کہنے لگا کہ آپ کے واسطے لایا ہوں قبول فرمایئے۔ ودیا ساگر نے انکار کر دیا وہ شخص رونے لگ گیا۔ یہ دیکھ کر ودیا ساگر نے کہا کہ اچھا میں نے ان کو لے لیا اور اب میں اپنی طرف سے ان کو تمہیں دیتا ہوں یہ بات سُن کر وہ شخص خوش ہو گیا۔

ایک دفعہ میڈیکل کالج میں کسی پروفیسر نے ورنیکلر ڈیپارٹمنٹ کے ایک طالب علم پر کونین کی چوری کا الزام لگایا یہ الزام عداوتاً لگایا گیا تھا۔ مجسٹریٹ نے اس لڑکے کو ایک ماہ کی سخت قید کی ورنیکلر طالب علموں میں اس سزا سے تہلکہ مچ گیا۔ بہت سے لڑکوں نے کالج چھوڑ دیا۔ مشہور پنڈت بج کرشن گوسوامی ان باغی طالب علموں کے سرغنہ تھے وہ چند ساتھیوں کے ہمراہ ودیا ساگر کے پاس آئے اُنہوں نے یہ ماجرا سُنکر بڑا افسوس ظاہر کیا اور کہا کہ میں یہ کل حال لفٹنٹ گورنر سے کہونگا ودیا ساگر لفٹننٹ گورنر سے ملے۔ گورنر نے وعدہ کیا کیا کہ جلد اس معاملہ کی تحقیقات کی جاویگی۔ مگر پھر بھی تین مہینہ تک کچھ فیصلہ نہ ہوا۔ جن لڑکوں نے کالج چھوڑ دیا تھا اُن میں بہت سے وظیفہ خوار تھے۔ کالج چھوڑ کر اُن کا گذارہ ہونا مشکل

تھا ودیا ساگر نے یہ بات خود ہی سمجھ لی۔ اور اپنے پاس سے اُن لڑکوں کو اُتنا ہی وظیفہ دینا شروع کر دیا۔ جتنا کہ اُن کو کالج سے ملتا تھا اور جب تک لڑکوں کو کالج میں پھر داخل نہ کیا گیا۔ برابر ان کو وظیفہ دیتے رہے۔ آخر کار لفٹننٹ گورنر کی مہربانی سے وہ لڑکے کالج میں پھر داخل ہو گئے۔

قحط ۱۸۶۶-۶۷ء میں بنگال میں بڑا سخت قحط پڑا۔ ہزاروں غریب لوگ اپنے گھر بار چھوڑ کر بھیک مانگتے پھرتے تھے۔ ودیا ساگر لفٹننٹ گورنر سے ملے۔ اور قحط کا حال سنایا۔ اُنہوں نے فوراً حکم دیا۔ کہ گورنمنٹ کی طرف سے غریبوں کی مدد کے لئے مختلف جگہ انتظام کیا جاوے۔ بیرسنگھ میں ودیا ساگر نے قحط زدہ لوگوں کی مدد میں بڑا روپیہ خرچ کیا۔ شروع میں ہر روز دو سو آدمیوں کو کھانا کھلایا جاتا تھا۔ مگر بعد ازاں کچھ گنتی نہ رہی۔ ودیا ساگر نے کہہ دیا کہ کسی آدمی کو بھوکا مت جانے دو۔ جتنے روپے کی ضرورت ہو خرچ کرو۔ بارہ شخص دن رات کھانا پکاتے تھے۔ اور بیس آدمی کھانا پروستے تھے۔ ایک دفعہ ایک شخص کے سامنے بھات ڈالا گیا مگر وہ اتنا بھوکا تھا کہ اُس نے بھاجی کی انتظار نہ کی۔ اور جھٹ سے بھات منہ میں ڈال لیا وہ اس کے حلق میں اٹک گیا۔ اور وہ شخص وہیں مر گیا۔ ودیا ساگر یہ حالت دیکھ کر نہایت ہی رنجیدہ ہوئے۔ اور لاش کو

گود میں لے کر بڑی دیر تک روتے رہے۔ وہ کہتے تھے کہ یہ زخم ہمیشہ میرے دل پر رہیگا۔ اس قحط میں وہ غریب آدمیوں کو صرف خوراک ہی نہیں دیتے تھے۔ بلکہ دوا اور سر کے واسطے تیل بھی دیتے تھے۔ اُنہوں نے ایک دفعہ دیکھا کہ ان کے ملازم اُن غریب آدمیوں کو چھُونے سے پرہیز کرتے ہیں۔ ودیا ساگر یہ حالت دیکھ کر اپنے ہاتھ سے اُن لوگوں کے سر پہ تیل ڈالنے لگے۔ بیر سنگھ کے علاوہ کلکتہ میں بھی ودیا ساگر کی طرف سے قحط زدوں کو خیرات ملتی تھی۔ اور کئی دفعہ وہ خود کالج سکوئیر میں اُن لوگوں کو اپنے ہاتھ سے دال چاول دیتے تھے۔ بہت سے شریف لوگ ظاہرا طور پر خیرات لینا کسرِ شان سمجھتے تھے۔ ودیا ساگر کو ان کا بھی خیال تھا۔ اور جہاں تک ہو سکتا تھا اُن کی بھی مدد کرتے تھے۔ اس قحط میں جو مدد ودیا ساگر نے غریبوں کی کی اُس سے تمام بنگال میں وہ ودیا ساگر کے نام سے مشہور ہو گئے۔ چھوٹے بڑے لوگ اُن کو دعائیں دیتے تھے۔ اور گورنمنٹ اُن کا شکریہ ادا کرتی تھی۔

بخار } ۱۸۶۹ء میں ضلع بردوان میں وبائی بخار پھیلا ودیا ساگر خود بردوان گئے۔ اور وہاں ایک ڈاکٹر کو نوکر رکھ کر ہسپتال کھولا۔ ودیا ساگر اپنے ڈاکٹر کے ساتھ بردوان اور پاس کے دیہات میں بیماروں کو دیکھتے پھرتے تھے۔ ایسا کوئی گھر ہوگا۔ جس میں کوئی موت نہ ہوئی ہو اور جو لوگ زندہ

تھے اُن کو بخار نے بالکل کمزور کر دیا تھا۔ ودیا ساگر نے
دیکھا کہ ان لوگوں کو نہ صرف دوا کی ضرورت ہے بلکہ
بیماری سے بچنے کے لئے خوراک اور کپڑے کی بھی ضرورت ہے
جہانتک اُن کی دولت کام کر سکتی تھی اُنہوں نے اُن غریبوں کی
مدد کی مگر تا بکے۔ ایسی بے انتہا مصیبت کا مقابلہ اکیلے آدمی
کے لئے مشکل تھا۔ انہوں نے سر ولیم گرے لفٹننٹ گورنر بنگال
سے کل حال سنایا اُنہوں نے سول سرجن اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ
ہر دو ان کو لکھا کہ بخار کا کل حال گورنمنٹ کو تحریر کرو۔ جب اُن
کی رپورٹ آئی تو لفٹنٹ گورنر نے اُن افسروں کو بڑی سرزنش
کی کہ تم نے ایسی سخت بیماری کا حال گورنمنٹ کے پاس پہلے کیوں
نہیں لکھا اور حکم دیا کہ فوراً چار چار یا پانچ پانچ کوس کے فاصلہ پر
ہسپتال کھولے جاویں۔ اگرچہ اب بہت سا کام گورنمنٹ نے
اپنے ذمہ لے لیا تھا مگر ودیا ساگر نے اپنی کوشش کم نہیں کی۔ وہ
دوا کپڑا اور خوراک مفت دیتے تھے۔ جب موسم سردی کا آیا تو اُنہوں
نے دو ہزار روپیہ کے گرم کپڑے اور دھوتیاں بخار کے ستائے ہوئے
لوگوں میں تقسیم کیں۔ قریباً دو برس تک ودیا ساگر اس کام میں مصروف
رہے۔ اور اُنہوں نے اپنے روپیہ اور آرام کی بالکل پرواہ نہیں کی۔
جو لوگ سرکاری افسروں سے ملتے ہیں۔ اُن کو ودیا ساگر کی زندگی سے
سبق سیکھنا چاہئے۔ ہمارے لوگ جو حکام سے ملتے ہیں وہ ان سے بھی
ذکر کرتے ہیں کہ حضور ہماری ترقی کی جاوے یا کسی ہمارے رشتہ دار

کو ملازم رکھا جاوے۔ صرف معمولی آدمیوں کا یہ حال نہیں بلکہ بڑے
بڑے تعلیم یافتہ آدمی جو رفاہ عام کے جلسوں میں شامل ہوتے ہیں
اُنکی بھی اکثر یہی غرض ہوتی ہے۔ کہ ان جلسوں کے ذریعہ گورنمنٹ تک
اُن کا نام پہنچے اور ان کو کوئی خطاب ملے۔ یا وہ کونسل کے ممبر یا
ہائی کورٹ کے جج بنائے جاویں۔ مگر جہاں گورنمنٹ تک اُنکی
رسائی ہوئی۔ وہ بالکل سرکاری غلام ہو جاتے ہیں۔ اور جس رعایا
کی دعا نے اور جس رعایا کی خیر خواہی نے اُن کو گورنمنٹ تک پہنچایا
اُس سے بیگانہ ہو جاتے ہیں۔ ودیا ساگر کسی سرکاری افسر سے ملنے
کی خواہش نہیں کرتے تھے۔ اور نہ اِس بات کی اُن کو ضرورت تھی
جب کسی سرکاری افسر سے وہ ملتے تھے تو ہمیشہ لوگوں کو فائدہ پہنچانے
کی کوشش کرتے تھے۔ ایشور نے ان کو دولت تو دی تھی مگر دل
ایسا فراخ دیا تھا کہ وہ ہمیشہ یہی چاہتے تھے۔ کہ دوسروں کو ان سے
فائدہ پہنچ جاوے تو اچھا ہے۔ اور یہ ممکن نہ تھا کہ کسی سرکاری
افسر کو خوش رکھنے کے لئے وہ اُس کی ظالمانہ کارروائی کو گورنمنٹ
تک نہ پہنچاویں۔ ۱۸۶۹ء میں علاقہ جہاں آباد ضلع ہگلی میں ایک
سرکاری افسر انکم ٹیکس لگانے کے لیے مقرر ہوا۔ اس نے سرکاری
خیر خواہی کے نشہ میں لوگوں پر ٹکس بہت سخت لگایا۔ وہاں کے
لوگوں نے تنگ آکر ودیا ساگر کے پاس فریاد کی۔ کیونکہ یہ بات مشہور
تھی کہ ودیا ساگر کسی سرکاری افسر کی پرواہ نہیں کرتے۔ اور لفٹنٹ
گورنر سے رعایا کی تکلیف کا حال فوراً سُنا دیتے ہیں۔ ودیا ساگر نے

حسب معمول لفٹننٹ گورنر کو یہ سب حال سنا دیا۔ لاٹ صاحب نے مسٹر ہیریسن کلکٹر بردوان کو اس شکایت کی تحقیقات کے لئے ودیا ساگر کے ساتھ روانہ کیا۔ مسٹر ہیریسن کی تحقیقات سے ثابت ہوا کہ درحقیقت ٹیکس نہایت سختی سے لگایا گیا تھا۔ اس وجہ سے ٹیکس میں کمی کی گئی۔ ٹیکس کے معاملہ میں ودیا ساگر کی کارگزاری دیکھ کر وہ لوگ جن کا ٹیکس کم ہوا تھا کہنے لگے کہ اب تک تو ہمارا یہی خیال تھا کہ آپ بدھوا بواہ کے سوا اور کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتے۔ مگر اب ہمیں معلوم ہو گیا کہ آپ سب طرح سے لوگوں کی تکلیفوں کو دور کرنا چاہتے ہیں۔

جب گنگھال کے سب ڈویژن میں طغیانی کا طوفان اُٹھا تو ودیا ساگر نے تکلیف زدہ لوگوں کی مدد کے لئے پانچسو روپیہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مدناپور کے پاس بھیجی۔

یہ حال اُن کی زندگی کی فیاضی کا تھا۔ اُن کی وصیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اپنے مرنے کے بعد بھی وہ اس فیاضی کو بدستور جاری رکھنا چاہتے تھے۔ بیماری سے تنگ آ کر اُنہوں نے ۳۱ر مئی ۱۸۷۵ء کو اپنی وصیت تحریر کی۔ جس میں درج تھا کہ جن لوگوں کا گذارہ میرے روپیہ سے ہوتا ہے۔ اُن کو میرے مرنے کے بعد اس قدر روپیہ نہیں مل سکتا جتنا کہ میری زندگی میں ملتا ہے۔ تاہم مفصلہ ذیل رقمیں ماہوار دیجائینگی۔

۱۔ میرے پتا ٹھاکر داس بنرجی کو ۵۰ ماہوار

۲- میرے بھائی دینا بندھو نیائے رتن کو	۴۰	ماہوار
۳- میرے بھائی شمبھو چندر ودیا رتن کو	۴۰	"
۴- میرے بھائی ایشان چندر بنرجی کو	۳۰	"
۵- میری بہن سری متی من موہنی دیوی کو	۱۰	"
۶- میری بہن سری متی دگمبری دیوی کو	۱۰	"
۷- میری تیسری بہن سری متی مند کنی دیوی کو	۱۰	"
۸- میری استری سری متی دینو مئی دیوی کو	۳۰	"
۹- میری بڑی لڑکی سری متی ہیملتا دیوی کو	۱۵	"
۱۰- میری دوسری لڑکی سری متی کمدنی دیوی کو	۱۵	"
۱۱- میری تیسری لڑکی سری متی بنودنی دیوی کو	۱۵	"
۱۲- میری چوتھی لڑکی سری متی سرت کماری دیوی کو	۱۵	"
۱۳- میرے بیٹے کی استری سری متی بھوسندری دیوی کو	۱۵	"
۱۴- میری پوتی سری متی مری نالنی دیوی کو	۱۵	"
۱۵- میرے دوہتے سریش چندر سماجپتی کو	۱۵	"
۱۶- میرے دوہتے جتیش چندر سماج پتی کو	۱۵	"
۱۷- میری دوہتی سری متی راج رانی دیوی کو	۱۵	"
۱۸- میرے سب سے چھوٹے بھائی کی استری سری متی ایلوکسی دیوی کو	۱۰	"
۱۹- میری ساس سری متی تارا سندری دیوی کو	۱۰	"
۲۰- میری سب سے بڑی لڑکی کی ساس سری متی سورن مئی دیوی کو	۱۰	"
۲۱- میری سب سے بڑی لڑکی کی نند سری متی کشیترنی دیوی کو	۱۰	"

۲۲- میری ماں کے ماموں کی لڑکی سری متی اما سندری دیوی کو	۳۰ ماہوار
۲۳- میری ماں کے ماموں کے دوہتے کی استری کو	۳۰ 〃
۲۴- میری بوا کے لڑکے ترلوچن مکرجی کو	۳۰ 〃
۲۵- میرے پتا کی بوا کی لڑکی سری متی نستارنی دیوی کو	۳۰ 〃
۲۶- میری سالی سری متی سارداد یوی کو	۵ 〃
۲۷- پنڈت مدن موہن ترک النکار کی ماں کو	۸ 〃
۲۸- بابو مدن موہن بوس کی ماں سری متی نت کلی داسی کو	۱۰ 〃
۲۹- بابو مدھو سودن گھوس کی استری سری متی ٹھاک منی داسی کو	۱۰ 〃
۳۰- بابو کالی کرشن متر ساکن بیراسٹ	۳۰ 〃
۳۱- بابو کالی کرشن متر کی استری کو بابو کالی کرشن کے مرنے کے بعد	۱۰ 〃
۳۲- بابو سری رام برہمنک کی استری کو	۲ 〃
۳۳- میری ماسی کے لڑکے سردیشور بنرجی کو	۱۰ 〃
۳۴- میری بھانجی سری متی موکشدا دیوی کو	۵ 〃
۳۵- میری بڑی بہن کی نند سری متی تارامنی دیوی کو	[illegible] 〃
۳۶- میری بوا کی لڑکی سری متی موکشدا دیوی کو	[illegible] 〃
۳۷- میری ماں کی چچی کے لڑکے شاماں چرن گھوس کو	۵ 〃
۳۸- میری ماں کے ماموں کے بیٹے تاراچرن مکرجی کے بال بچوں کو	۵ 〃
۳۹- میری ماں کی ماسی کے لڑکے کالی داس مکرجی کو	۵ 〃
۴۰- میری ماں کے بوا کے لڑکے راہیشور مکرجی کے بال بچوں کو	۵ 〃
۴۱- میری ماں کے ماموں کی لڑکی سری متی برداد یوی کو	۲ 〃

۴۲- نوبن کرشن متر ساکن بارا سٹ کی بیوہ سری متی شام سندری داسی کو ۱۰ ماہوار

۴۳- پنڈت مدن موہن ترک النکار کی لڑکی سری متی کندبالا دیوی کو ۱۰ ”

۴۴- پنڈت مدن موہن ترک النکار کی بہن سری متی بام سندری دیوی کو ۳۰ ”

۴۵- پیارے چند متر مروان والے کی بیوہ سری متی کمنی داسی کو ۵ ”

کل میزان ۵۶۲ روپیہ ماہوار

اِس کے علاوہ انہوں نے یہ بھی لکھا کہ اگر ضرورت ہو تو ستّرہ آدمیوں کے لئے ایک سو پانچ روپیہ اَور دیئے جاویں - یہ انتظام تو خاص خاص آدمیوں کے لئے تھا - ماسوا اِس کے (۱) بیر سنگھ سکول کے لئے سو روپیہ ماہوار (۲) بیر سنگھ ہسپتال کے لئے پچاس روپیہ ماہوار (۳) یتیم لڑکوں کے لئے تیس روپیہ ماہوار (۴) بدھوا بواہ کے لئے سو روپیہ ماہوار کل دو سو اسی روپیہ اَور مقرر کئے گئے -

وصیت کے اٹھارویں فقرہ میں درج ہے کہ اگر میری کتابوں کی آمدنی کم ہو تو اسی طرح خرچ بھی کم کرنا چاہیئے -

اُنیسواں فقرہ یہ ہے کہ ایگزیکیوٹر لوگ اگر چاہیں تو وہ میری جائداد کے کسی حصہ کو بیچ بھی سکتے ہیں -

بابو کالی چرن گھوس - بابو کہرود ناتھ سنگھ اور اپنے بھانجے بینی مادھو

آدتیہ

کرجی کو ودیاساگر نے وصیت کا ایگزیکیوٹر مقرر کیا۔

مذکورہ بالا فہرست سے ظاہر ہوتا ہے کہ ودیاساگر کن کن کاموں کو پسند کرتے تھے۔ اور اُن کاموں کے واسطے کیا کیا قربانی کرنے کو تیار تھے۔ جن شخصوں کا ماہواری گذارہ مقرر کیا۔ وہ بھی اُنکی حسب حیثیت مقرر کیا۔ کیونکہ اُن کا یہ خیال تھا کہ کسی شخص کو فضول خرچی نہ کرنی چاہیئے اور کفایت شعاری سے ایک آدمی کی جگہ دس آدمیوں کا گذارہ ہو سکتا ہے۔ اسلئے اپنے بھائیوں بہنوں اور بیٹوں کے لئے صرف اتنا روپیہ مقرر کیا۔ جو اُن کے معمولی گذارہ کے لئے کافی تھا۔ کیونکہ اگر ودیاساگر اپنے رشتہ داروں کے لئے بڑی بڑی رقمیں مقرر کر جاتے تو اَور بیکسوں کے واسطے انتظام کرنا مشکل ہو جاتا۔

افسوس ہے کہ ودیاساگر کے مرنے کے بعد اُن کی وصیت کی تعمیل ٹھیک طور سے نہیں ہوئی۔ جن شخصوں کا گذارہ اُنہوں نے اپنی وصیت میں مقرر کیا تھا۔ اُن میں سے کئی ایک مر گئے ہیں۔ جو لوگ زندہ ہیں۔ وہ نہایت وقت سے روپیہ وصول کرتے ہیں۔

یتیم لڑکوں کے لئے تیس روپیہ ماہوار اور بدہوا بواہ کے لئے جو ۱۰۰ روپیہ ماہوار مقرر ہوا تھا وہ بالکل بند ہو گیا ہے۔ ہسپتال کبھی کھُلتا ہے کبھی بند ہو جاتا ہے۔ مگر بھگوتی ودیالہ ابھی سرکاری افسروں کی توجہ سے چل رہا ہے۔ اگرچہ اس کو بھی ۱۰۰ روپیہ ماہوار جو اس کے لئے وصیت میں مقرر تھے نہایت مشکل سے دیئے جاتے ہیں۔ یہ کہنا مشکل

ہے کہ کس کی غفلت یا تنگدلی سے یہ حالات وقوع میں آئے ہیں۔
ودیاساگر کی سوانح عمری سے اُن کے بعد کے حالات کا کچھ تعلق بھی
نہیں۔ اُنہوں نے اپنی زندگی میں بڑے بڑے کارج کئے اور غریبوں
کی مدد میں روپیہ کو پانی کی طرح بہایا۔ ایسے شخص بہت کم دیکھنے میں
آتے ہیں جو آٹھ سو نو سو روپیہ ماہوار کا انتظام رفاہ عام کے لئے
اپنی وصیت کے ذریعہ سے کریں۔ اگر وہ شخص جو ودیاساگر کی دولت
کے وارث ہوئے یا جن کے سپرد اُن کی جائداد کا انتظام
ہے اپنی تنگدلی یا غفلت کی وجہ سے اس مہاں پرش کی ہدایت کے
مطابق عمل نہیں کرتے تو گناہ اُن کی گردن پر ہے۔ ودیاساگر کی روح
ہمیشہ کے لئے اُن کو ملامت کرتی رہیگی۔ بعض شور بیر ایسے ہوتے ہیں
کہ خود روپیہ کما کر پر اُپکار کرتے ہیں بعض کو خوش قسمتی سے ایسا
موقعہ ملتا ہے۔ کہ وہ دوسروں کے روپیہ سے پر اُپکار کرتے ہیں۔
مگر اُن لوگوں کی حالت درحقیقت قابل افسوس ہے کہ جن کو بیشمار
دولت پر اُپکار کے لئے ملے۔ اور وہ پر اوپکار کرنے میں قاصر رہیں۔

تعلیم یافتہ آدمیوں کو ملازمت میں داخل کرانا

اپنی زندگی میں ہم ہر روز دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ جو اعلےٰ عہدہ
پر پہنچ کر یا کسی پیشہ میں نامور ہو کر بڑے آدمیوں میں شمار ہوتے ہیں
یا اپنے آپ کو بڑا آدمی سمجھتے ہیں۔ وہ اپنی تنگدلی کی وجہ سے اپنے

سے چھوٹے آدمیوں کو حقارت سے دیکھتے ہیں اور اس بات کو گوارا
نہیں کر سکتے۔ کہ کوئی اور شخص بھی ترقی کرے۔ ودیا ساگر کو پرتما نے
بڑا فراخ دل دیا تھا وہ ہمیشہ یہی چاہتے تھے کہ سب لوگ پھولیں
اور پھلیں وہ لایق آدمیوں کو دیکھ کر بڑے خوش ہوتے تھے اور
ہونہار نوجوانوں کو ترقی کرنے کے لئے نہ صرف صلاح مشورہ ہی
دیتے تھے۔ بلکہ اپنے روپیئے اور سفارش سے بھی اُن کی مدد کرتے تھے
جس وقت ودیا ساگر فورٹ ولیم کالج میں ملازم تھے سنسکرت
کالج میں دو اسامیاں ایک ۹۰ عہ ماہوار کی اور ایک ۵۰ عہ ماہوار
کی خالی ہوئیں۔ ودیا ساگر سے کہا گیا کہ آپ ۹۰ عہ کی اسامی قبول
کریں اور ۵۰ عہ کی اسامی پر اپنے کسی دوست کو کرا دیں۔ مگر اُنکو
اپنے نفع کا کچھ خیال نہ تھا۔ اُنہوں نے ۹۰ عہ کی اسامی کے واسطے
پنڈت تارا ناتھ ترک واچسپتی کی سفارش کی۔ پنڈت تارا ناتھ
نے سنسکرت کالج کا سب سے اونچا امتحان پاس کرنے کے بعد
بنارس میں پانینی ویاکرن پڑھا تھا۔ اور اب ضلع بردوان میں
بمقام کلنا ایک پاٹ شالہ کھول کر لڑکوں کو پڑھاتے تھے۔ اُن کا
گذارہ مشکل سے ہوتا تھا ودیا ساگر کا خیال تھا کہ اگر اس لایق
پنڈت کو ۹۰ عہ کی اسامی مل گئی تو اُس کی سب تکلیف دور ہو جائیگی
اسلئے وہ رخصت لے کر پیدل کلنا پہنچے۔ ڈیرہ دن کا راستہ تھا۔
وہاں پنڈت تارا ناتھ سے ۹۰ عہ کی اسامی کا ذکر کیا۔ وہ ودیا ساگر
کی بے غرضی دیکھ کر حیران ہو گئے۔ القصہ ودیا ساگر کی سفارش سے

پنڈت تارا ناتھ سنسکرت کالج میں مقرر ہو گئے۔
اسی طرح پنڈت مدن موہن ترک النکار کو فورٹ ولیم کالج میں [illegible] ماہوار پر اور بعد ازاں سنسکرت کالج میں [illegible] ماہوار پر۔ پنڈت گمت رام ودیا باگیس کو کلکتہ مدرسہ میں [illegible] ماہوار پر۔ پنڈت دوارکا ناتھ ودیا بھوشن کو [illegible] ماہوار پر اور پنڈت گریش چندر ودیا رتن کو [illegible] ماہوار پر سنسکرت کالج میں ودیا ساگر نے نوکر کرایا۔

پنڈت نند کمار نیا چانچو جو بابو رما پرشاد رائے خلف الرشید راجہ رام موہن رائے کی معرفت ودیا ساگر کے پاس پہنچے اور نیائے شاستر میں بڑے لائق تھے۔ اُن کی سفارش سے سنسکرت کالج میں [illegible] ماہوار پر اور بعد ازاں موضع کاندی میں [illegible] ماہوار پر ملازم ہوئے نیا چانچو مذکور پنڈت ہر پرشاد ایم۔ اے شاستری سنسکرت پروفیسر پریزیڈنسی کالج کلکتہ کے بڑے بھائی تھے۔

بابو راج کشن بنرجی جو پہلے جارڈین کمپنی کی دوکان میں [illegible] ماہوار پر خزانچی تھے ودیا ساگر کی سفارش سے فورٹ ولیم کالج میں ہیڈ رائٹر مقرر ہوئے بعد ازاں اُنہوں نے [illegible] ماہوار پر بابو راج کشن کو اپنے سنسکرت پریس ڈیپازیٹری کا منیجر بنا دیا ودیا ساگر اُن کے انتظام سے بہت خوش ہوئے۔ پھر ودیا ساگر کی سفارش سے بابو صاحب موصوف پریزیڈنسی کالج میں سنسکرت کے اسسٹنٹ پروفیسر ہو گئے۔

پنڈت سارداپرشاد گنگولی بہت لائق آدمی تھا۔

مگرکان سے بہرا اور بڑا قبیلہ دار تھا ودیاساگر کی مدد سے اُس نے مشہور اخبار سوم پرکاش جاری کیا۔ اس اخبار کا کل نفع سارداپرشاد کو ملتا تھا بعد میں ودیاساگر نے سارداپرشاد کو راجہ بردوان کے پاس معقول تنخواہ پر مہابھارت کا ترجمہ کرنیکے لیے بھیج دیا اور اُسکی جگہ دوارکا ناتھ ودیابھوشن کو سوم پرکاش کا اڈیٹر مقرر کردیا۔

ایک دفعہ سنسکرت کالج میں ریاضی کے پروفیسر کی آسامی خالی ہوئی۔ کالج کے منتظموں کی یہ تجویز ہوئی کہ کسی لایق آدمی کو ممالک مغربی شمالی سے بلاکر اس عہدہ پر مقرر کریں۔ مگر ودیاساگر نے کہاکہ اس کالج کا طالب علم پریوناتھ بھٹاچارج ریاضی میں بڑا لایق ہے اُس کو ریاضی کا پروفیسر بنانا چاہیئے۔ اسلیئے پریوناتھ سنسکرت کلج میں ریاضی کا پروفیسر بنایا گیا۔ اور پھر اُن کی سفارش سے وہ منصف ہوگیا۔ پنڈت مہیش چندر رنیائے رتن بھی ودیاساگر کی سفارش سے سنسکرت کالج میں پروفیسر ہوئے۔

سنسکرت کالج کے پاس شدہ نوجوانوں کو مدد دینے کی غرض سے ودیاساگر نے لفٹننٹ گورنر بنگال سے سفارش کی۔ کہ پنڈت رام کمل بھٹاچارج۔ بابو گرش چندر مکرجی اور بابو رام اکشی چٹرجی کو اعلےٰ عہدوں پر مقرر کیا جاوے۔ اُس وقت گرانٹ صاحب لفٹننٹ گورنر تھے۔ اُنہوں نے ودیاساگر کی سفارش منظور کی۔ مگر چونکہ رام کومل نے خودکشی کی اور کرشن چندر نے وکیل ہو کر سرکاری ملازمت قبول نہ کی صرف رام اکشی چٹرجی ڈپٹی مجسٹریٹ بنائے گئے

ودیاساگر کے بھائی دینا بندھو نیائے رتن بھی اُن کی سفارش سے ڈپٹی مجسٹریٹ بنائے گئے

پرسنو کمار سربادھکاری ہندو کالج میں پڑھتے تھے۔ انہوں نے تمام امتحانات بڑی ناموری سے پاس کئے اور بڑے بڑے انعام حاصل کئے۔ شروع شروع میں وہ چھوٹی سی تنخواہ پر ڈھاکہ میں نوکر ہوئے۔ مگر اتنا لائق آدمی ایسی تھوڑی تنخواہ کو کب پسند کرتا تھا انہوں نے بلا اجازت سرکار وہ نوکری چھوڑ دی۔ کلکتہ میں بہتیری کوشش کی مگر اچھی نوکری کہاں ملے۔ ودیاساگر کی سفارش سے وہ پھر سرکاری محکمہ تعلیم میں داخل ہوئے اور آہستہ آہستہ اعلےٰ درجہ کے پروفیسر بنائے گئے۔ جس وقت وہ ملازمت سے اخیر وقت علیحدہ ہوئے پریزیڈنسی کالج کلکتہ میں ہزار روپیہ ماہوار کے پروفیسر تھے اسی طرح اور بہت سے آدمیوں کو ودیاساگر کی بدولت راجاؤں مہاراجاؤں۔ زمینداروں اور سوداگروں کے یہاں نوکری ملے۔

بابو سرندرو ناتھ بنرجی کا نام نامی تمام ہندوستان میں مشہور ہے اُن کا ودیاساگر سے خاص تعلق تھا پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ سرندرو بابو کے پتا ڈاکٹر درگا چرن سے شروع میں اُن کی محبت ہو گئی تھی۔ اور اُن کی مدد سے ودیاساگر نے انگریزی سیکھی۔ جب درگا چرن کے پُتر ولایت میں امتحان سول سروس کے لئے گئے تو وہاں اُن کی عمر کا تنازعہ ہوا۔ بابو درگا چرن نے ودیاساگر سے مشورہ کیا۔ اُنہوں نے بابو سرندرو ناتھ کی جنم پتری تصدیق کی اور بابو صاحب گو عمر کے

معاملہ میں جیت ہوئی۔ بعدہٗ جب بابو سُرندرو ناتھ ملازمت سے علیحدہ ہوگئے تو
ودیا ساگر نے فوراً انکو میٹرو پالیٹن کالج میں انگریزی کا پروفیسر بنا دیا۔

ہریش چندر مکرجی بنگال میں سب سے اول آدمی
تھے۔ جنہوں نے اخبار نویسی کا کام اختیار کیا۔ انھوں نے ہندو
پیٹریٹ اخبار کو جاری کیا اور بڑی لیاقت سے چلایا۔ ان کے مرنے
کے بعد اُن کی بیوہ نے اخبار کی ملکیت کا حق بابو کالی پرسنو سنگھ کے
پاس پانچ ہزار روپیہ میں بیچ دیا۔ اُنھوں نے ایک انگریز اڈیٹر مقرر
کیا اور کچھ عرصہ اُس نے بڑی لیاقت سے اخبار جاری رکھا۔ بعد
میں بابو کالی پرسنو نے اخبار کا انتظام ودیا ساگر کے سپرد کیا اُنھوں
نے اخباروں میں اشتہار دیا کہ وہ اخبار کا انتظام کسی لایق آدمی کے
سپرد کرنے کو تیار ہیں۔ بہت سی درخواستیں آئیں مگر اُنھوں نے بابو
شمبھو چندر مکرجی کو پسند کیا۔ اور بعد میں بابو کرسٹو داس پال کو جو
اُس وقت برٹش انڈین ایسوسی ایشن میں کلارک تھے۔ اخبار مذکور
کا اڈیٹر مقرر کیا۔ بابو کرسٹو داس پال کی تقرری پر لوگوں نے بڑی
ناراضگی ظاہر کی اور کہا کہ کسی لایق بی۔ اے یا ایم۔ اے کو اس کام
پر مقرر کرنا چاہیے تھا۔ مگر ودیا ساگر آدمیوں کو خوب پرکھتے تھے۔
جس لیاقت سے بابو کرسٹو داس پال نے اخبار چلایا وہ سب کو معلوم ہے۔

ہندو فیملی فنڈ۔ بنگال میں غریب آدمیوں کے پس ماندگان
کے لئے ہندو فیملی فنڈ ودیا ساگر نے جج دوارکا ناتھ متر کے ساتھ
شامل ہوکر قایم کی اس فنڈ سے ہندوؤں کو بہت فائدہ ہوا۔ اور یہہ

فنڈ اب تک قائم ہے۔

امیر خاندانوں کی مدد

(۱) شیو نرائن چودھری موضع رادھا نگر کا بڑا خاندانی امیر تھا

اس نے رماپرشاد رائے خلف راجہ رام موہن رائے کا سترہ ہزار روپیہ دینا تھا۔ بیچارہ مقروض کلکتہ میں اس قرضہ کا فیصلہ کرنے آیا تھا۔ اتفاقاً وہاں ہی مر گیا اس کے بیٹوں اور بیوی پر اس ناگہانی موت سے بڑی مصیبت نازل ہوئی۔ وہ ودیا ساگر کے پاس آئے اُن کو یہ حال سُن کر بڑا رحم آیا اوّل تو اُنھوں نے رماپرشاد رائے سے کہا کہ آپ قرضہ میں سے کچھ روپیہ کم کر دو۔ جب اس کوشش میں کامیاب نہ ہوئے تو اُنھوں نے مقروض کی جائداد کو رہن کرا کر قرضہ بیباق کرنے کی تدبیر کی ودیا ساگر کو اس معاملہ میں ایک کثیر رقم خرچ کرنی پڑی مگر رماپرشاد رلئے کا قرضہ ادا کیا گیا اور وہ خاندان تباہی سے بچ گیا۔

(۲) سنہ ۱۸۶۱ء میں ندیا کے مہاراجہ ستیش چندر بہادر مر گئے اور اُن کی مہارانی نے ریاست کا انتظام سنبھالا مگر قرضہ کی وجہ سے جائداد کے برباد ہونے کا اندیشہ تھا آخر کار ودیا ساگر نے رانی کو صلاح دی کہ جائداد کورٹ آف وارڈس کے سپرد کرنی چاہیئے۔ رانی نے ودیا ساگر کا کہا مان لیا اور تمام جائداد کورٹ آف وارڈس کے سپرد ہوئی اور

جب تک نابالغ راجہ بالغ نہ ہوا انتظام کورٹ آف وارڈس کے سپرد رہا۔

(۳) ریاست پیک پاڑا۔

راجہ پرتاب چندر سنگھ کے مرنے کے بعد ریاست کا انتظام ابتر ہو گیا ریاست کے ذمہ قرضہ بہت تھا ودیاساگر نے راجہ کی ماں کو کہا کہ آپ ریاست کو کورٹ آف وارڈس کے سپرد کر دیجئے۔ یہ رائے دینے سے پہلے ودیاساگر نے اپنے دوست بابو دوارکا ناتھ متر جج ہائیکورٹ اور سر سیسل بیڈن لفٹننٹ گورنر بنگال سے مشورہ کیا۔ اُنھوں نے ودیاساگر کی رائے کی تائید کی۔ جب رانی صاحبہ نے ودیاساگر کی رائے مان لی تو بورڈ آف ریونیو (بمنزلہ فنانشل کمشنر پنجاب) کے پاس ایک درخواست بھیجی گئی کہ ریاست پیک پاڑا کو کورٹ آف وارڈس کے ماتحت لیا جاوے یہ درخواست نامنظور ہوئی۔ ایک درخواست اَور دیگئی وہ بھی نامنظور ہوئی۔ پھر بابو دوارکا ناتھ متر نے ودیاساگر کو رائے دی کہ نابالغ راجہ کی طرف سے ڈسٹرکٹ جج کی عدالت میں ایکٹ ۴۰ سنہ ۱۸۵۸ع کی دفعہ ۱۲ کے مطابق درخواست کرو۔ یہ درخواست دیگئی۔ اور ڈسٹرکٹ جج نے منظور کی۔ اور احکامات بنام کلکٹر جاری کئے۔ کلکٹر نے کچھ پرواہ نہ کی مگر اس سے بھی ودیاساگر کا حوصلہ ڈھیلا نہ ہوا۔ اُنھوں نے ڈسٹرکٹ جج کے ہاں پھر درخواست دی۔ ڈسٹرکٹ جج نے کلکٹر سے جواب طلب کیا۔ اب تو کلکٹر بھی گھبرایا۔ اور اُس نے جج کے فیصلہ کی اطلاع کمشنر صاحب کو دی۔ اُنھوں نے کلکٹر کے نام حکم بھیجا۔ کہ پیک پاڑا

ریاست کو کورٹ آف وارڈس کے ماتحت لے لو۔ ودیا ساگر اب تو بڑے
خوش ہوئے۔ جب یہ کارروائی ہو رہی تھی تو ریاست کے ذمہ جو مالگذاری
تھی وہ ادا نہ ہوئی اور [illegible] مال سے مالگذاری کے وصول کرنے کے لئے
جائداد کی قرقی کا حکم ہوا ودیا ساگر نے جب دیکھا کہ مالگذاری کی ادائگی
کی کوئی صورت نہیں تو اُنہوں نے مسٹر سیسیل بیڈن کو مقام دارجیلنگ
پر لکھا کہ اگر آپ جائداد نیلام نہ ہونے دیں تو آپ کی مہربانی ہوگی۔
لفٹنٹ گورنر صاحب نے لکھا کہ ہم ودیا ساگر کی خاطر اس معاملہ
میں دست اندازی کرتے ہیں۔ اس طرح ریاست کی جائداد بربادی
سے بچ گئی۔

اس ریاست کو کورٹ آف وارڈس کے ماتحت کرنے کے لئے
ودیا ساگر نے دو ہزار روپئے اپنی جیب سے خرچ کئے۔

کیا اِن کل واقعات سے ظاہر نہیں ہوتا کہ ودیا ساگر ایک مہان
پُرش تھے۔ انگریز لوگ مسٹر ہاورڈ کا نام لے کر کہتے ہیں کہ دیکھو کیسا
رحم دل آدمی تھا۔ بیشک ہاورڈ نے انگریزی جیلخانوں کی بُری حالت
لوگوں پر اور گورنمنٹ پر ظاہر کی اور جیل لائف کی خرابیوں کو دور
کرایا مگر کیا ہمیشہ جیل لائف تک جانیکی ضرورت ہے۔ ہندوستان
کے غریب گھروں میں جو افلاس اور جہالت نے دکھ پھیلا رکھا ہے
اُسکے دور کرنے کے لئے کتنے خیر خواہان انسان کی خدمات کی ضرورت
ہے۔ ایک دو آدمیوں کا یہ کام نہیں مگر ودیا ساگر نے اپنی ہمت سے
بہت سے لوگوں کا دُکھ دور کرنے کی کوشش کی اور لاکھوں روپئے

اُن کی سیوا میں خرچ کئے۔ کیا یہ چھوٹا کام ہے۔ جو لوگ دُنیاداروں کی سخاوت کا حال جانتے ہیں اُنہیں معلوم ہوگا کہ دوسرے کے لئے ایک پیسہ بھی خرچ کرنا مشکل ہے۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کی ایک روپے سے بھی مدد کرتا ہے تو وہ ہمیشہ اس بات کی امید کرتا ہے کہ لینے والا اور اس کی اولاد نسلاً بعد نسلاً اسکے غلام رہیں اور اس کے احسان کو نہ بھولیں۔ دنیا میں دوسرے کی خاطر روپیہ خرچ کرنا اور کسی صلہ کی امید نہ کرنا بڑے دلاوروں کا کام ہے۔

ودیاساگر کے خصائل اور گھرستی زندگی

جس وقت ودیاساگر کی عمر پندرہ سال کی تھی، اُن کی شادی شری متی دینومتی دیوی سے ہوئی شادی کے چودہ سال بعد ۱۸۴۹ء میں اُن کا لڑکا نرائن چندر پیدا ہوا۔ یہ اکلوتا لڑکا تھا۔ اُس کے بعد چار لڑکیاں ہوئیں یہ لڑکیاں بھی صاحب اولاد ہوئیں۔ نرائن چندر کے بھی لڑکا ہوا۔ ودیاساگر کے گھر میں دو پوتوں اور دو پوتیوں کی بڑی رونق رہتی تھی۔ اُن کے تین بھائی تھے۔ ایک دینا بندھو دوسرا شمبھو چندر تیسرا ایشان چندر۔ ودیاساگر آپ ہمیشہ موٹی چادر اور دھوتی پہنتے تھے۔ اور گھر میں استریوں کو بھی موٹا کپڑا دیتے تھے مگر غیر آدمیوں کو ہمیشہ عمدہ کپڑے دئے جاتے تھے اُنکے گھر میں زیور نہ لڑکوں کو پہنائے جاتے تھے۔ نہ استریوں کو۔ وہ

کہا کرتے تھے کہ زیوروں سے ہمیشہ جان کا خطرہ ہے اور پہننے والے کو
غرور ہو جاتا ہے۔ اُن کی خوراک بڑی سادہ ہوتی تھی۔ جب سب لوگ
کھانا کھا لیتے تھے۔ تب آپ کھانا کھاتے تھے۔ اپنے نوکروں پر وہ ہمیشہ
مہربانی کرتے تھے اور جو چیز آپ کھاتے تھے۔ وہ اُن کو بھی دیتے
تھے۔ آموں کی موسم میں آم خرید کر گھر میں جتنے اپنے اور بیگانے
ہوتے تھے اُن کو خوب کھلاتے تھے۔ اُن کی مہربانی صرف آدمیوں
تک ہی محدود نہ تھی بلکہ بے زبان جانوروں کو بھی تکلیف میں دیکھ
کر نہایت دُکھ مانتے تھے۔ ایک دفعہ ایک شخص گائے کا دودھ
دوھ رہا تھا گائے کا بچہ پاس کھڑا شور کر رہا تھا یہ حالت دیکھ کر
ودیا ساگر نے اپنے دل میں کہا کہ گائے کا دودھ اُسکے بچے کو ملنا
چاہئے مگر لوگ دودھ نکال کر آپ پیتے ہیں اور گائے کے بچے کو نہیں
دیتے یہ بڑے ظلم کی بات ہے۔ اُسی دن سے اُنہوں نے یہ ارادہ
کر لیا کہ دودھ اور اُس سے بنی ہوئی چیز کبھی استعمال نہیں کرونگا
وہ اِس ارادہ پر قایم رہے۔ حالانکہ اُن کے گھر میں جو اور لوگ رہتے
تھے اُن کے واسطے اسّی روپئے ماہوار کا دودھ خرچ ہوتا تھا۔
ودیا ساگر تاش یا شطرنج کبھی نہیں کھیلتے تھے بلکہ کہا کرتے تھے
کہ یہ کھیل اُن لوگوں کے واسطے ہیں جنکے لئے دنیا میں کوئی ضروری
کام نہیں۔

روپئے کی بے پرواہی تو اُن کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری
تھی۔ اُن کی فیاضی کی دھاک سُن کر چوروں نے سمجھا کہ ودیا ساگر

بڑے امیر ہیں اُنہوں نے ان کے بیر سنگھ والے مکان میں نقب لگایا۔
اور جس قدر مال اسباب تھا۔ سب لوٹ کر لے گئے۔ اُس دن ودیاساگر
بھی بیر سنگھ میں تھے اُس نقصان سے اُن کی طبیعت بالکل اُداس
نہ ہوئی اور وہ بڑی خوشی کے ساتھ گاؤں کے لڑکوں کے ساتھ کھیلتے
رہے۔ ڈپٹی انسپکٹر پولیس جو چوری کی تحقیقات کو آیا تھا اپنی نذر نیاز
مانگنے لگا ٹھاکر داس بنرجی نے اُس کو جھڑک دیا۔ اتنے میں ایک
سپاہی نے اُسے بتایا کہ اِس برہمن کا بیٹا جو سامنے کھیل رہا ہے۔
بڑا آدمی ہے اور لفٹنٹ گورنر صاحب سے جب چاہتا ہے مل آتا ہے
یہ سُن کر ڈپٹی انسپکٹر بولا کہ یہ عجب شخص ہے۔ کہ رات اُسکے ہاں چوری
ہوئی اور آج وہ ایسی بے فکری کے ساتھ کھیل رہا ہے۔
باوجود امیر ہونیکے ودیاساگر تمام عمر بڑے محنت کش رہے۔ جب کسی کتاب یا
مضمون کے لکھنے کی ضرورت ہوتی تھی تو گھنٹوں لکھتے رہتے تھے
ہندوستانی امیروں کی سُستی کا ودیاساگر کی طبیعت میں نام ونشان
بھی نہ تھا وہ اپنے وقت کے بڑے پابند تھے کیا مجال تھی کہ کسی وقت
بیکار رہیں۔ اِسی ہمت کی وجہ سے اُنہوں نے اس قدر کتابیں لکھیں
اور رفاہ عام کا کام کیا۔ اُن کو مطالعہ کا بڑا شوق تھا۔ پچاس ہزار
روپے خرچ کر کے اُنہوں نے انگریزی اور سنسکرت کی عمدہ عمدہ کتابیں
خریدیں۔ جب وہ کوئی کتاب پڑھنے لگتے تھے تو باقی چیزوں کی طرف
اُن کا دھیان بالکل نہ رہتا تھا یہ بات لوگوں میں بڑی مشہور تھی۔
ایک دفعہ کسی جگہ جانے کے لئے وہ ریل میں سوار ہوئے کتاب پڑھتے

پڑھتے اُن کو اُس سٹیشن کا جہاں وہ جا رہی تھی خیال نہ رہا۔ اگلے سٹیشن پر ٹکٹ دیکھنے والے نے اُن سے کہا کہ تم کو تو پچھلے سٹیشن پر اُترنا تھا۔ وہ شخص ودیا ساگر سے بالکل نا واقف تھا۔ جب اُنہوں نے جواب دیا کہ میں غلطی سے پچھلے سٹیشن پر نہیں اُترا تو اُسنے خفا ہو کر کہا کہ ایسے کیا تم ودیا ساگر ہو جو کتاب پڑھتے پڑھتے کسی اور چیز کی پرواہ نہیں کرتے

ودیا ساگر کی پوشاک سے کبھی کسی کو معلوم نہ ہوتا تھا کہ یہ کوئی بڑے آدمی ہیں۔ کتنی ہی دفعہ دوسرے شہروں کے آدمی اُن کو دیکھنے کے لئے اُن کے مکان پر آتے تھے۔ ودیا ساگر ان کو اپنا نام نہ بتاتے اور عرصہ تک اُن سے ادھر اُدھر کی باتیں کرتے اور وہ لوگ اِسی خیال میں رہتے تھے۔ کہ ودیا ساگر کوئی اور شخص ہونگے یہ اُن کا ملازم ہے۔

ایک دفعہ جب وہ انسپکٹر تھے تو اُنہوں نے ضلع ہوگلی کے ایک گاؤں میں اطلاع بھیجی کہ ہم مدرسہ کا امتحان لینے آوینگے۔ اُنکے آنے سے بیشتر اُن کی شہرت وہاں پھیلی ہوئی تھی صبح سے بیشمار عورتیں اور مرد اُن کے منتظر گلیوں میں اور چھتوں پر کھڑے تھے۔ وہ چپکے سے لوگوں کے بیچ میں سے گذر کر مدرسہ میں پہنچ گئے۔ اور کسی کو خبر نہ ہوئی کہ ودیا ساگر کونسے ہیں۔ جب معلوم ہوا کہ ودیا ساگر تو آ گئے ایک عورت اُن کو دیکھ کر بڑی حقارت سے بولی کہ یہ ودیا ساگر ہیں؟ کیا صبح سے ہم اس اوڑیہ مزدور کے دیکھنے کے لئے کھڑے تھے اس کے پاس نہ گاڑی ہے نہ گھڑی نہ چوغہ نہ چپکن نہ ٹوپی۔

لفٹنٹ گورنر بنگال نے اُن سے کہا ہوا تھا کہ آپ ہر ایک بیروار کو
مجھ سے ملا کریں تاکہ رعایا کی حالت مجھے معلوم ہوتی رہے ایک دفعہ
لفٹنٹ گورنر نے ہنسکر ان سے کہا کہ آپ کبھی کبھی پاجامہ و چپکن
بھی پہن لیا کریں اُنہوں نے کہا کہ دیکھئے کوشش کرونگا لاٹ
صاحب کے پاس جاتے وقت اُنہوں نے دو تین دفعہ پاجامہ و چپکن
پہنا مگر وہ اُن کپڑوں میں بڑے بے آرام رہتے تھے اور ڈرتے ڈرتے
ایسے راستہ سے گذرتے تھے جہاں اُن کو کوئی دیکھ نہ سکے۔ آخرکار
اُنہوں نے دق ہوکر لفٹنٹ گورنر سے کہدیا کہ اب میری آپ سے
آخری ملاقات ہے اُنہوں نے پوچھا کہ کیوں ودیا ساگر بولے۔ کہ
میں پاجامہ و چپکن نہیں پہن سکتا۔ اُنہوں نے کہا کہ یہ کیا بات ہے
آپ کے ملنے سے مجھے بہت فائدہ ہوتا ہے۔ آپ جس پوشاک میں
میرے پاس آنا چاہیں آئیں۔

بیمارداری۔ امیر لوگوں کا تو کیا ذکر ہے۔ غریبوں کو بھی بیمار
کے پاس بیٹھنے سے گلانی آتی ہے مگر ودیا ساگر لوگوں کے دُکھ دور کرنے
کے لئے پیدا ہوئے تھے اور جس طرح سے ہو سکتا تھا وہ اپنی کوشش
میں کمی نہیں کرتے تھے سنہ ۱۸۴۳ء میں پنڈت گنگا دھر ترک باگیش
پروفیسر سنسکرت کالج کو ہیضہ ہو گیا۔ اس نے اپنی تکلیف میں
اپنے شاگرد ایشور چندر کو علاج کے لئے بلایا وہ فوراً اپنے اُستاد
کے پاس پہنچے اور اُس کی خدمت کرنے لگے۔ انہوں نے ڈاکٹر نوین
چندر متر اور ڈاکٹر درگا چرن بنرجی کو کہا کہ آپ اس مریض کا علاج

کریں۔ اُنھوں نے ودیا ساگر کی سفارش سے بلا فیس علاج کیا اور پنڈت
گنگا دھر راضی ہو گیا۔ ودیا ساگر نے اپنے ہاتھ سے اُس کا پیشاب اور
پاخانہ صاف کیا اور خود کئی رات جاگے اور جو کچھ خرچ ہوا اُنھوں نے
اپنے پاس سے دیا۔

۲۔ ودیا ساگر کے گرو جے نرائن ترک پنچ آنند کے بھانجے ایشان چندر
بھٹا چارج کو ہیضہ ہو گیا۔ پنڈت جے نرائن ڈر کے مارے اپنے بھانجے
کے پاس نہ جاتے تھے اور اُس کو ایک کوٹھڑی میں ڈال رکھا تھا۔
جب ودیا ساگر کو یہ حال معلوم ہوا تو وہ خود اُن کے مکان پر گئے اور
بیمار کا علاج کر کے اس کو راضی کر لیا۔

۳۔ پریو ناتھ بھٹا چارج طالب علم سنسکرت کالج (جس کا ذکر پہلے
بھی ہو چکا ہے) ایک دفعہ ہیضہ سے بیمار ہوا۔ ودیا ساگر نے اُس کی خراب
حالت دیکھ کر فوراً اُس کا علاج شروع کیا اور اپنی خدمت خوراک اور
دوا سے اُس بیکس نوجوان کو مرنے سے بچا لیا۔

۴۔ ایک دفعہ وہ بازار میں جا رہے تھے۔ اُنھوں نے ایک غریب آدمی
کو اس طرح روتا ہوا دیکھا جیسے کہ اُس کا دم نکلنے والا ہے۔ دریافت کرنے
سے معلوم ہوا کہ یہ شخص ایک مختار ربیدناتھ ٹھاکر جی ساکن بو بازار کا ملازم
ہے اور چونکہ اُس کو ہیضہ ہو گیا اُسکے آقا نے اُسے گھر سے باہر نکال دیا ہے،
ودیا ساگر فوراً اُس کو اپنے گھر لے آئے۔ خوش قسمتی سے وہ شخص اچھے
علاج کی وجہ سے راضی ہو گیا۔ اسی طرح وہ کئی دفعہ بیمار لوگوں کو گلیوں
میں سے اپنے کندھے پر اُٹھا کر حفاظت کی جگہ لے جاتے تھے اور اپنی

دھوتی اور چادر کے ٹکڑوں سے اُن کے بدن کو صاف کرتے تھے۔
۵۔ کالی کرسٹو متر ساکن باراسٹ بنگال کے ایک فاضل شخص تھے اُنکی صحبت سے ودیاساگر کی زندگی پر بڑا عمدہ اثر ہوا تھا۔ ایک دفعہ کالی کرسٹو بیمار ہو گئے۔ ڈاکٹروں نے اُنہیں کہا کہ آپ اگر زندہ رہنا چاہتے ہیں تو اپنے مزاج کو خوش رکھیں۔ جب ودیاساگر کو اِس بات کی خبر ملی تو وہ اپنا سارا کام چھوڑ کر کالی کرسٹو کے ساتھ رہنے لگے اور سال بھر سے زیادہ ہنسی مذاق کی باتیں سنا کر اُن کی سیوا کی ۔

۶۔ ایک اعلےٰ سرکاری افسر جو ودیاساگر کے دوست تھے۔ بڑی مصیبت میں گرفتار ہوئے۔ اُن کی بیوی پاگل ہو گئی۔ یہاں تک کہ کوئی شخص اُس کو قابو میں نہ لا سکتا تھا اور وہ کھانا بالکل نہ کھاتی تھی مگر وہ استری ودیاساگر کا بڑا ادب کرتی تھی اور اُن کے ہاتھ سے کھانا کھا لیتی تھی۔ چھ ۶ ماہ تک برابر ودیاساگر اُس کو آپ کھانا کھلاتے رہے

۷۔ ۱۸۶۶ء میں راجہ پرتاب چندر سنگھ بہادر ساکن موضع کانڈھی بیمار ہو گئے۔ ودیاساگر ڈاکٹر مہندر لال سرکار کو اپنے ساتھ لے کر کانڈھی پہنچے۔ بیمار کی حالت خراب ہوتی گئی۔ مگر ودیاساگر نے ہمت نہ ہاری چار ماہ تک وہ برابر کانڈھی میں رہے اور صرف چار پانچ روز کے لئے کلکتہ آئے

ہاموپیتھی ۔ ودیاساگر صرف بیماردار ہی نہ تھے۔ بلکہ حکیم بھی اچھے تھے۔ اُنہوں نے ہاموپیتھی کا علاج سیکھ لیا تھا۔ اس علاج کے متعلق سینکڑوں روپیہ کی کتابیں منگا کر اُنہوں نے پڑھیں۔

ڈاکٹر مہندر لال سرکار کو انہوں نے ہی ہاموپے تھی کی طرف راغب کیا تھا۔ ودیا ساگر جہاں جاتے تھے ہاموپے تھی کی کتابیں اور دوائیوں کا بکس ساتھ لے جاتے تھے اور مریضوں کا علاج کرتے تھے اور اپنے دوست ڈاکٹروں سے بھی غریبوں کا علاج کراتے تھے ڈاکٹر سورج کمار سروادھکاری کہتے تھے کہ ودیا ساگر کے کہنے سے اُنہوں نے اتنے بیماروں کا علاج کیا کہ اگر اُن کا نام لکھا جائے تو ایک بڑی جلد بن جائے۔ اپنے گاؤں بیر سنگھ میں اُنہوں نے ایک ہسپتال بھی کھولدیا تھا۔

کوئی حیرانی کی بات نہیں کہ ودیا ساگر جو غریبوں کے دُکھ دور کرنے کی اتنی کوشش کرتے تھے۔ امیر آدمیوں کے غرور اور خود غرضی اور تنگدلی سے نہایت ناراض ہوتے تھے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اُن کو بڑے بڑے آدمیوں سے ملنے کا اتفاق ہوتا تھا۔ اور امیر لوگ اُن کی عزت کرتے تھے مگر جب کبھی کوئی امیر آدمی اُن کے سامنے غریبوں کو ستاتا تھا یا غریبوں سے نفرت کرتا تھا تو وہ فوراً اُس کو دھمکا دیتے تھے۔ اور اِس بات کی بالکل پرواہ نہیں کرتے تھے کہ اُنکی گفتگو سے اُس کو تکلیف ہوتی ہے۔

پیک پاڑا خاندان کے راجاؤں سے ودیا ساگر کی بڑی ملاقات تھی ایک دفعہ وہ اپنی گاڑی میں اُن راجاؤں کے محل کو جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک غریب شخص نے ودیا ساگر سے ہاتھ جوڑ کر پوچھا کہ آپ مجھے پہچانتے ہیں یا نہیں اُنہوں نے کہا کہ ہاں میں پہچانتا ہوں یہ بات سن کر اُس شخص نے ایک بوریا اپنی دُکان کے آگے بچھا دیا۔

ودیاساگراُس پر بیٹھ گئے اور اُس شخص سے جو اُن کا بچپن کا ہمجولی تھا اور اُن کو دیکھ کر پھولا نہ سماتا تھا۔ پُرانے زمانے کی باتیں کرنے لگے اتنے میں پیک پاڑا کے راجہ لوگ اپنی گاڑیوں میں سوار ہوکر اُدھر سے گذرے اور ودیاساگر کو اس کنگال کے پاس بیٹھا دیکھ کر اپنے دل میں بڑے ناراض ہوئے۔ راجہ صاحبان ہواخوری سے واپس آگئے۔ مگر ودیاساگر وہاں ہی بیٹھے تھے۔ جب خوب دل کھول کر بات چیت کر چکے تو وہ راجاؤں کے مکان پر گئے اُن میں سے ایک شخص بولا۔ کہ پنڈت جی آپ اتنے بڑے آدمی ہیں آپ کو برسرِ بازار اُس کنگال کے پاس بیٹھنا مناسب نہ تھا۔ یہ بات سُن کر ودیاساگر نے اُس کی طرف بڑی حقارت سے دیکھا اور کہا کہ وہ شخص میرا پُرانا دوست ہے اور مجھے غریبوں سے مل کر خوشی ہوتی ہے۔ اگر تم اس وجہ سے میرے ساتھ ملنے میں اپنی کسرِ شان سمجھتے ہو تو میں تمہارے مکان پر پھر کبھی نہیں آؤنگا یہ سُن کر راجہ صاحبان پر پانی پڑگیا اور وہ معافی مانگنے پر اُتر آئے۔

ایک دفعہ ودیاساگر ہگلی میں ایک وکیل کے ہاں گئے اُس وکیل پر پنڈت جی نے بڑے احسان کئے تھے۔ وہ اُس وکیل سے باتیں کر رہے تھے۔ اتنے میں ایک فقیر اس کے دروازہ پر آیا اور عرصہ تک بھیک مانگتا رہا۔ مگر کسی نے اس کی بات نہ پوچھی۔ ودیاساگر سے رہا نہ گیا۔ وہ اُس فقیر کے پاس گئے اور اُس کو ایک روپیہ دیکر کہا کہ آیندہ پھر اس مکان پر بھیک مانگنے نہ آنا۔ یہ حال دیکھ کر وکیل صاحب بڑے شرمندہ ہوئے۔ اور پنڈت جی سے معافی مانگنے لگے۔

اسی طرح ایک دفعہ پیک پاڑا کے راجہ سے ودیا ساگر گفتگو کر رہے تھے ایک غریب آدمی راجہ صاحب کے دروازہ پر آکر سوال کرنے لگا۔ راجہ صاحب نے اپنے آدمی سے کہا کہ یہ شخص بڑا شور کر رہا ہے اس کو بند کرو۔ امیروں کے نوکر بڑے ظالم ہوتے ہیں اُس نے اُس غریب آدمی کو مار مار کر زمین پر گرا دیا۔ ودیا ساگر بڑے خفا ہوئے اور فوراً ایک روپیہ اس غریب آدمی کو دے کر کہنے لگے کہ پھر کبھی امیر آدمیوں کے گھر سے بھیک مت مانگنا۔ یہ بات سُن کر راجہ صاحب دم بخود رہ گئے۔

جب ودیا ساگر کی ہمت سے پہلا بدھوا بواہ ہوا تو بڑے بڑے آدمی اُس میں شامل ہوئے کیونکہ اُس زمانہ میں سب لوگ ودیا ساگر کی بڑی عزت کرتے تھے اور کلکتہ میں اُس وقت شاید ہی کوئی بڑا آدمی تھا جو اُن سے کہنے کو موڑ سکے۔ راجہ موہن رائے کے بیٹے بابو رما پرشاد رائے نے بواہ کے وقت حاضر ہونے کا وعدہ کیا تھا۔ بواہ سے تھوڑی دیر پہلے ودیا ساگر ان کے مکان پر گئے اور اُن سے کہا کہ وقت آگیا ہے۔ آپ بواہ پر چلیئے۔ رما پرشاد رائے نے کہا کہ جو کچھ اس معاملہ میں میرے سے ہو سکتا ہے میں کرنے کو تیار ہوں مگر میں بواہ کے وقت موجود ہونا مناسب نہیں سمجھتا۔ یہ بات سُن کر ودیا ساگر آگ بگولہ ہو گئے اور اُس کمرہ میں جو راجہ رام موہن رائے کی تصویر لٹک رہی تھی اُس کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے کہ اِس تصویر کو اُٹھا کر زمین پر پھینک دو۔ پھینک دو۔ پھینک دو۔

ایک دفعہ ایک امیر آدمی ودیا ساگر سے ملنے آیا۔ وہ اُس وقت لائبریری

میں بیٹھے ہوئے اپنی کتابوں کو درست کر رہے تھے۔ وہ امیرزادہ بیوقوفی سے اُن سے پوچھنے لگا کہ آپ نے اِن کتابوں پر قیمتی جلدیں کیوں لگائی ہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ تم نے اپنے اوپر ہزار روپیہ کا شال کیوں لیا ہے۔ تمہارا جاڑا تو موٹے کپڑے سے بھی دُور ہو سکتا ہے۔

سرکاری ملازمت میں جس آزادی کے ساتھ وہ افسران سے برتاؤ کرتے تھے۔ اس کا حال پہلے معلوم ہو چکا ہے۔ کیا بڑا کیا چھوٹا سب اُن کا ادب کرتے تھے۔ کیونکہ ودیا ساگر کی طبیعت ایسی آزاد تھی کہ کسی کو خوش کرنے کی نیت سے یا کسی کی ناراضگی کے ڈر سے وہ سیلف ریسپیکٹ کو کبھی نہ چھوڑتے تھے۔ اِسی وجہ سے ۳۸ سال کی عمر میں سنسکرت کالج کے پرنسپل کے عہدہ پر لات مار کر گھر میں آ بیٹھے۔

ایک دفعہ جب نوکری چھوڑی کو ۲۳-۲۴ سال ہو چکے تھے۔ وہ ایک دوست کو ایشیاٹک میوزیم دکھانے گئے۔ اُن کے پاؤں میں حسب معمول جوتا ہندوستانی تھا۔ ناواقف دربان نے اُن سے کہا کہ آپ جوتا اُتار دیئے۔ یہ بات سُن کر وہ نہایت خفا ہوئے اور کہنے لگے کہ میں یہ جوتا اُتار کر میوزیم کے اندر کبھی نہیں جاؤنگا۔ اتنے میں میوزیم کے یوروپین محافظ کو خبر ہوئی کہ دروازہ پر ودیا ساگر ہیں۔ اُس نے آکر اُن کی بڑی منت کی کہ آپ اندر چلئے۔ مگر ودیا ساگر کب مانتے تھے۔ بنا دیکھے میوزیم کے واپس آ گئے۔ جب میوزیم کے منتظم کمیٹی کو اس معاملہ کی خبر ہوئی تو اُنہوں نے ودیا ساگر کو چٹھی میں لکھا کہ ہمیں معاف فرمائیے۔ آپ جیسا جوتا پہنکر آنا چاہیں آئیں۔ ودیا ساگر نے لکھا کہ

میں اپنے واسطے کوئی رعایت نہیں چاہتا۔ ہندوستانی جوتی پہن کر ہر ایک شخص کو میوزیم میں جانے کی اجازت ہونی چاہیئے۔ معاملہ نے طول کھینچا اور گورنمنٹ آف انڈیا تک پہنچا۔ یہاں سے کچھ فیصلہ نہ ہوا مگر ودیاساگر نے پھر کبھی میوزیم کی طرف رُخ نہیں کیا۔ ۱۸۸۳-۸۴ء میں جب کلکتہ میں بڑی نمائش ہوئی۔ کرسٹوداس پال نے ودیاساگر سے کہا کہ چلو نمایش دیکھ آویں۔ اُنہوں نے کہا کہ ایشیاٹک میوزیم کے پاس سے نمائش کا راستہ ہے۔ میں میوزیم کے مکان کو دیکھنا نہیں چاہتا۔ اِسلئے نمائش دیکھنے سے معذور ہوں۔

ودیاساگر کا استقلال صرف زبانی باتوں میں نہ تھا۔ طبیعت ایسی سخت تھی کہ وہ ہر ایک طرح کی تکلیف کو سہارتے تھے اور اُف نہ کرتے تھے۔

ایک دفعہ اُن کی پیٹھ میں کاربنکل نکل آیا۔ جب بیماری زیادہ بڑھ گئی تو دوستوں نے صلاح دی کہ زخم میں چیرا دلوانا چاہیئے۔ ودیاساگر ایک شخص سے باتیں کر رہے تھے۔ ڈاکٹر نے پیچھے سے کاربنکل کو چیر کر صاف کر دیا اور باندھ دیا۔ مگر ودیاساگر کے چہرہ سے قطعی معلوم نہ ہوا کہ اُن کو کسی طرح کی تکلیف ہے۔ اور وہ برابر بیٹھے باتیں کرتے رہے۔

ودیاساگر کی ایمانداری کا ذکر کرنا غیر ضروری ہے۔ جس شخص نے اُنکے مذکورہ بالا حالات پڑھے ہوں وہ خود سمجھ سکتا ہے۔ کہ یہ ودیاساگر شخص ایمانداری کا نمونہ ہوگا۔ جو شخص خود عیاش ہوتے ہیں یا جن کی آمدنی اُن کے ذاتی خرچ کے لئے کافی نہیں ہوتی۔ یا جو اپنی اولاد کے لئے ہزاروں روپیہ چھوڑ کر مرنا چاہتے ہیں اُن کو ناجائز طریقوں سے دولت

اکٹھا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے مگر جو خدا ترس آدمی روپیہ کو غیروں کے فائدہ کے لئے خرچ کرے اور اپنی یا اپنی اولاد کے آرام کو مدنظر نہ رکھے۔ اُس کی ایمانداری اُس کی سیکنڈ نیچر کا حصّہ ہو جاتی ہے۔

ودیا ساگر نہ صرف اپنا فرض منصبی اچھی طرح سے بجا لاتے تھے۔ بلکہ بحیثیت انسپکٹر مدارس اور پرنسپل سنسکرت کالج جو سرکاری روپیہ اُن کے ہاتھ میں آتا تھا۔ اُس کو بڑی ایمانداری سے خرچ کرتے تھے۔ اور اسی وجہ سے وہ ڈائرکٹر محکمہ تعلیم سے باوجود اختلاف رائے کے بڑے بے باکانہ طور سے برتاؤ کرتے تھے۔ مگر پھر بھی وہم اتنا تھا کہ باوجود کئی سال گذر جانے کے جب ایک دفعہ اُنہوں نے اپنے روپے کا حساب کیا تو کچھ روپیہ اُن کو اپنی آمدنی سے زیادہ معلوم ہوا اُنہوں نے خیال کیا کہ یہ روپیہ میرے پاس اُس وقت آیا ہوگا جبکہ میں انسپکٹری کی حالت میں دیہات میں مدرسے قایم کر رہا تھا۔ اُنہوں نے فوراً اکونٹنٹ جنرل کو لکھا کہ یہ روپیہ سرکاری خزانہ میں داخل کیا جاوے۔ وہاں سے جواب ملا کہ آپ کے ذمہ ہمارے ہاں کوئی رقم درج نہیں یہ روپیہ کس طرح سرکاری خزانہ میں داخل ہو سکتا ہے۔ مگر ودیا ساگر نے بلا تامل وہ روپیہ خزانہ میں بھیج دیا اور اپنے دل کا ڈر دور کیا۔

لین دین میں اُن کی یہ عادت تھی کہ اپنا قرضہ معہ سود کے ادا کرتے تھے۔ مگر جو شخص اُن کا روپیہ واپس دیتے تھے اُن سے سود بالکل نہ لیتے تھے۔

شروع شروع میں ودیا ساگر سب کا اعتبار کرتے تھے اور اُن کے دل میں

اِس بات کا خیال بھی نہیں گذرتا تھا کہ کوئی شخص اُن سے دھوکا
کریگا مگر تجربہ سے اُن کو معلوم ہو گیا کہ قابلِ اعتبار شخص تھوڑے ہیں۔
ایک دفعہ وہ ایک دوست کو دو ہزار پانچ سو روپیہ دیکر کرمتار چلے گئے
اور کہہ گئے کہ تین ماہ تک آٹھ سو روپیہ ماہوار کے حساب سے فلاں فلاں
اشخاص کو اس روپیہ سے مدد دینا۔ مگر اُن کو کلکتہ سے گئے ہوئے تھوڑے
ہی دن گذرے تھے کہ اُن کے پاس روپیہ نہ ملنے کی شکائتیں پہنچنے لگیں
ودیاساگر نے اپنے دوست کو خط لکھا اور دریافت کیا کہ روپیہ کیوں تقسیم
نہیں ہوا۔ اُس نے خط کا جواب نہ دیا۔ مجبور ہو کر خود کلکتہ آئے۔ اور
جب اس شخص سے روپئے کا حال پوچھا تو اُس نے کہا کہ میں نے روپیہ
اپنے خرچ میں لگا دیا۔ ودیاساگر یہ بات سُن کر نہایت افسوس کرنے
لگے۔ مگر اُس شخص کو کچھ نہ کہا اور اپنے پاس سے کل روپئے کا بندوبست
کر کے محتاجوں کا انتظام کیا۔

اِسی طرح ایک شخص نے اپنے آپ کو ایک مدرسہ کا طالب علم ظاہر
کر کے ودیاساگر کے پاس دردناک خط روانہ کیا اور کہا کہ مجھے روپئے
اور کتابوں کی ضرورت ہے۔ ودیاساگر نے روپیہ اور کتابیں اُس کے
پاس بھیج دیں۔ اتفاقاً اس مدرسہ کا ایک اُستاد ودیاساگر سے ملا۔
اُنہوں نے اس سے دریافت کیا کہ تم فلاں لڑکے کو جانتے ہو۔ اُس
نے کہا کہ اس نام کا کوئی لڑکا ہمارے مدرسہ میں نہیں پڑھتا۔
ودیاساگر نے کہا کہ تم اچھے اُستاد ہو۔ تم اپنے لڑکوں کا نام نہیں جانتے
اسکے بعد جو چٹھیاں اس لڑکے کے نام سے آئی تھیں وہ اُنہوں نے

اس اُستاد کو دکھائیں۔ وہ دیکھ کر حیراں ہو گیا۔ اور کہنے لگا کہ یہ شخص تو کتاب فروش ہے طالب علم نہیں۔ اس نے آپ کو بڑا دھوکا دیا۔ اوپر بھی ذکر ہو چکا ہے کہ بہت سے لوگوں نے اپنے آپ کو مصیبت زدہ بیان کر کے اُن سے کثیر رقمیں قرض لیں۔ مگر کچھ ادا نہ کیا۔

کالج کے انتظام میں بھی اپنے معتبر شخصوں کے کہنے سے اُنھوں نے کبھی کبھی ملازموں کے ساتھ سختی کی۔ اور جب اُن کو اصل حال معلوم ہوا تو اُنھوں نے بڑا افسوس ظاہر کیا۔

اِن باتوں نے ودیا ساگر کی طبیعت کو رفتہ رفتہ ایسا بدل دیا۔ کہ وہ کسی آدمی کا اعتبار نہ کرتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ پہلے میں موتی لال سیل تھا۔ اب میں دوار کا ناتھ ٹھاکر ہوں۔ موتی لال سیل ہر ایک اجنبی شخص کو نیک سمجھتا تھا۔ مگر دوار کا ناتھ ٹھاکر کا خیال مختلف تھا۔

ودیا ساگر کے دوست

ودیا ساگر کی فیاضی بےغرضی اور فضیلت نے بڑے بڑے آدمیوں کو اُن کا مداح اور دوست بنا دیا تھا۔ سر فریڈرک ہالیڈے۔ سر سیسل بیڈن۔ سر پیٹر گرانٹ۔ سر ولیم گرے لفٹنٹ گورنران بنگال سے اُن کا گہرا تعلق تھا۔ اور وہ گورنمنٹ ہوس میں ہمیشہ بے تکلفی سے آیا جایا کرتے تھے۔ کیونکہ لفٹنٹ گورنر صاحبان ہر ایک ضروری معاملہ پر ودیا ساگر سے مشورہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ ودیا ساگر لفٹنٹ گورنر

سے ملنے گئے۔ تو دیکھا کہ گورنمنٹ ہوس میں اَور بہت سے افسر
لفٹنٹ گورنر سے ملنے کے لئے کھڑے ہیں۔ جب ودیا ساگر کے آنے
کی خبر لاٹ صاحب کو پہنچی اُنہوں نے فوراً ودیا ساگر کو اندر بلا لیا
جو لوگ عرصے سے منتظر کھڑے تھے وہ اِس بات سے نہایت
ناراض ہوئے۔ اور اُن کی ناراضی کی خبر لاٹ صاحب تک پہنچی
لاٹ صاحب نے کہا کہ تم لوگ اِس غرض سے میرے پاس آتے ہو
کہ تم کو مجھ سے کچھ فائدہ ہو۔ مگر ودیا ساگر مجھ کو فائدہ پہنچانے آتے
ہیں +

سر ولیم گرے کی مفصلہ ذیل چٹھی ظاہر کرتی ہے کہ اُن کو ودیا ساگر کی
بڑی خاطر منظور تھی۔

"جناب من بیتھوں سکول کے متعلق جو آپ نے خط لکھا ہے۔
وہ مجھے مل گیا۔ آپ کی تحریر بڑی دلچسپ اور مفید ہے۔ آپ ضرور
تبدیل آب و ہوا کے لئے ممالک مغربی شمالی کو جائیں۔ اگر میں چند
دنوں میں کلکتہ واپس آ گیا تو بہتر ورنہ آپ بیتھون سکول کے انتظام
کی بابت اپنی تجاویز ممالک مغربی شمالی سے لکھ بھیجیں۔ اگر آپ چاہیں
تو آپ کے آرام کے لئے میں وہاں کے گورنمنٹ افسران کے نام
خط بھیج دوں"۔

راجہ پرتاب چندر سنگھ بہادر پیک پاڑا راج والے ودیا ساگر کے
دلی دوست تھے۔ میٹرو پالٹین سکول بدھوا بواہ اور گرل سکولوں
کے خرچ میں اُنہوں نے ودیا ساگر کو بڑی مدد دی۔ دیگر راجگان بنگال

بھی اُن کی بڑی عزت کرتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ ودیاساگر کسی شخص سے اپنے ذاتی فایدہ کے لئے نہ کچھ مانگتے تھے نہ کچھ لیتے تھے۔

ایک دفعہ وہ تبدیل آب وہوا کے لئے بردوان گئے۔ راجہ صاحب بردوان نے اُن کو ملنے کے لئے بُلایا۔ اول تو اُنھوں نے انکار کردیا مگر جب راجہ صاحب نے اصرار کیا تو ودیاساگر اُن کے پاس گئے۔ راجہ صاحب نے کہا کہ آپ سے مل کر مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے۔ اور کچھ گفتگو کرنے کے بعد پانچ سو روپیہ نقد اور پشمینے کی چادروں کا جوڑا اُن کی نذر کیا۔ ودیاساگر نے کہا کہ آجتک میں نے کسی سے دان نہیں لیا۔ یہ کہکر روپیہ اور چادروں کا جوڑا اُنھوں نے راجہ صاحب کو واپس کردیا۔ راجہ صاحب یہ بے غرضی دیکھ کر حیران ہوگئے۔ اور ہمیشہ کے لئے ودیاساگر کے دوست بن گئے۔

ودیاساگر کے دوست سب اچھے اچھے آدمی تھے۔ میں اُن میں سے چند کے نام درج کرتا ہوں:۔

۱۔ بابو کالی کرشن متر ساکن باراسٹ
۲۔ پنڈت بجے کرشن گوسوامی
۳۔ بابو رام ٹونو لاہری۔
۴۔ بابو راج نرائن بوس
۵۔ بابو کیشب چندر سین
۶۔ بابو کرسٹو داس پال۔
۷۔ بابو دوار کاناتھ متر جج ہائی کورٹ

۸۔ بابو اکھشی کمار دت مصنف
۹۔ بابو پرسنو کمار سر داد ہکاری پروفیسر پریزیڈنسی کالج کلکتہ
۱۰۔ بابو راج کرشن بنرجی پروفیسر پریزیڈنسی کالج کلکتہ۔
۱۱۔ بابو پیارے چرن سرکار " " "
۱۲۔ پنڈت گرشن چندر ودیا رتن پروفیسر سنسکرت کالج
۱۳۔ پنڈت دوارکا ناتھ ودیا بھوشن اڈیٹر سوم پرکاش
۱۴۔ ڈاکٹر درگاچرن بنرجی جو بابو سرندرو ناتھ بنرجی کے والد تھے
۱۵۔ پنڈت برج ناتھ مکرجی
۱۶۔ بابو انادپرشاد وکیل ہائیکورٹ
۱۷۔ بابو کالی چرن گھوس
۱۸۔ بابو انند کرشن گھوس۔

یہ سب صاحبان ودیاساگر کی دوستی کو اپنا فخر سمجھتے تھے۔ اور ودیاساگر بھی اُن کے دلی خیر خواہ تھے۔ رنگے ہوئے کپڑے پہننے والے سادھوؤں سے ودیاساگر ہمیشہ پرہیز کرتے تھے۔ ایک دفعہ سوامی وویکانند کے گرو رام کرشن پرمہنس جی کی طرف سے انکے پاس ایک شخص آیا۔ اور کہنے لگا کہ پرمہنس جی آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ ودیاساگر نے اُن کے ساتھ ملنے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ اس وقت تک پرمہنس کی اصلی خوبی لوگوں پر ظاہر نہیں ہوئی تھی۔ بعد ازاں پھر ودیاساگر کے پاس پرمہنس جی کی طرف سے پیغام آیا اُنہوں نے پرمہنس کے چیلے سے دریافت کیا کہ کیا آپ کے گرو

رنگے ہوئے کپڑے پہننے والے فقیروں جیسے تو نہیں ہیں۔ اُس نے کہا کہ وہ غیر معمولی شخص ہیں۔ یہ سُن کر ودیا ساگر راضی ہو گئے۔ جب پرمہنس جی اُن کے پاس آئے تو وہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اُنہوں نے پرمہنس کو بڑے ستکار سے بٹھایا۔ پرمہنس کہنے لگے کہ آج تک میں نے چھوٹے چھوٹے تالاب دیکھے ہیں۔ اب میری خوش قسمتی ہے کہ میں سمندر کے پاس پہنچ گیا ہوں۔ ودیا ساگر نے کہا کہ سمندر میں تو کھاری پانی ہوتا ہے۔ آپ بھی تھوڑا سا لیجائیے۔ پرمہنس نے کہا کہ آپ کھاری پانی والے ساگر نہیں ہیں۔ آپ میں موتیوں کی طرح انمول گُن بھرے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد اور بہت سی باتیں دونوں مہاپرشوں میں ہوتی رہیں۔ اور وہ ایک دوسرے سے مل کر بہت خوش ہوئے +

ودیا ساگر کا مذہب

بعض بزرگوں کا قول ہے کہ اگر تم کسی شخص کا مذہب دریافت کرنا چاہتے ہو تو اُس سے یہ بات مت دریافت کرو کہ تمہارا عقیدہ کیا ہے۔ تم الہامی کتاب کے قائل ہو یا نہیں۔ تثلیث کے حامی ہو یا توحید کے۔ بجائے اسکے آپ کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ شخص بنی نوع انسان کے ساتھ کیسا سلوک کرتا ہے۔ اپنے روزانہ بیوہار میں سچا ہے یا جھوٹا۔ کیونکہ اگر عمدہ عمدہ اصول کسی شخص کے بر زباں ہیں

مگر اُسکے کرم اچھے نہیں - تو یہ کہنا پڑے گا کہ اُسکا دہرم وہ اصول نہیں جنکو وہ کسی سبھا یا سوسائٹی میں شامل ہونے کی وجہ سے قبول کرتا ہے بلکہ درحقیقت اُس کا دہرم وہ اصول ہیں جن پر وہ عمل کرتا ہے - اگر ہم اس کسوٹی سے ودیا ساگر کا دہرم پرکھنا چاہیں تو اپنے ہم وطنوں کی جو سیوا اُنہوں نے تن من دھن سے کی اُس کو مدنظر رکھکر ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا - کہ ودیا ساگر اعلےٰ درجہ کے دہرم آتما تھے - اگر کوئی شخص ایشور پرماتما کی مہربانی کا مستحق ہے تو وہ شخص ضرور ہے - جس نے اپنی تمام زندگی بھر غریب اور بیمار استری پرشوں کو کھانا کھلانا - کپڑے دینا اُنکا علاج کرنا اور اُنکو تعلیم دینا اپنی لیاقت اور دولت کا اعلےٰ مقصد تھا -

شروع شروع میں ودیا ساگر براہمو سماج میں داخل ہوئے - مگر طبیعت کے میلان نے تھوڑے ہی دنوں میں اُن کو سماج سے علیحدہ کر دیا - اُس زمانہ میں براہمو سماج کی نئی جوانی تھی جس طرح ایک زردار نوجوان جوانی کے جوش میں اپنے بوڑھے والدین کو جہالت کا نمونہ خیال کرتا ہے - اور اُن کے وجود کو اپنی ترقی میں سدراہ سمجھتا ہے اسی طرح براہمو سماج بھی ہندو سوسائٹی کے ہر ایک عمل سے بیزار تھا - مگر ودیا ساگر ہندو سوسائٹی کے گذشتہ کارناموں کو یاد کرکے اس کی موجودہ حالت پر بجائے حقارت کے رحم کی نظر ڈالتے تھے - اور اُسکے زیر سایہ رہ کر اُسکی سیوا کرنا چاہتے تھے - اُس کو کمزور کرنا نہیں چاہتے تھے -

علاوہ ازیں تنگ دلی انکی طبیعت میں نام کو نہ تھی -

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی مہاں پرش دنیا کی بہتری کے لیئے نیک خیالات کا پرچار کرتا ہے تو تھوڑے عرصہ میں اس کے گرد اس کے مداحوں کا ایک مذہبی فرقہ یا گروہ بن جاتا ہے۔ جو لوگوں کو اس بات کا اُپدیش دیتا ہے کہ اپنی زندگی نیک بناؤ مصیبت میں صبر کرو۔ دوسرے کے قول یا فعل سے اگر تمہیں تکلیف پہنچے تو بردباری کرو۔ اپنے قول یا فعل سے دوسرے کو نقصان مت پہنچاؤ۔ ایسے فرقے مختلف وقتوں اور ملکوں میں پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ گو اُن کے نام مختلف ہوتے ہیں مگر ان سب کا مدعا انسان کی اصلاح ہوتی ہے۔ ایسے فرقوں کی بدولت دنیا میں بہت نیک کام ہوا ہے اور اُن لوگوں پر بھی جو کسی خاص فرقہ سے تعلق نہیں رکھتے۔ خواہ مخواہ ان مذہبی گروہوں کی تعلیم کا اثر سورج کی روشنی کی طرح پڑتا ہے۔ مگر انسان کا کوئی کام نقص سے بری نہیں۔ اسی فرقہ بندی کی وجہ سے نہ صرف کم علم لوگ بلکہ اعلےٰ تعلیم یافتہ آدمی بھی جو اپنے لین دین میں ایماندار اور اپنے چال چلن میں بے عیب ہوتے ہیں۔ مذہبی معاملات میں ایسے تنگدل ہو جاتے ہیں۔ کہ اپنے مذہبی دائرہ سے باہر ان کو بالکل اندھیرا ہی اندھیرا دکھائی دیتا ہے۔ وہ اَوروں کے مذہب میں سو سو نقص نکالتے ہیں۔ اپنے پنتھ کو خدا کا پیارا اور دوسروں کو کافر سمجھتے ہیں۔ آپ چاہے بھلے ہیں یا بُرے۔ جہاں آپ کسی پنتھ میں شامل ہوئے اُس کے ممبر یقین کرنے لگتے ہیں کہ آپ کی نجات ہو گئی۔ دوسرے پنتھ میں چاہے کیسے ہی

اچھے آدمی موجود ہوں اُن کی نیکی میں یقین کرنا آپ اور آپ کے دوستوں کے لئے ناممکن ہے۔ یہ تعصب ہمیشہ سے چلا آیا ہے۔ اب بھی موجود ہے اور غالباً آیندہ بھی رہیگا کیونکہ ہر ایک مذہب وملت کے لوگ اِس مرض میں مبتلا ہیں۔ ودیاساگر کا یقین تھا کہ یہ تعصب دھارمک زندگی کے لئے ضروری نہیں۔ اگر کوئی شخص نیک عمل کرنا چاہے تو اس کے لئے یہ پرخاش ضروری نہیں کہ اُس کا دھرم کسی اور دھرم سے بہتر ہے یا بدتر۔ اِن وجوہات سے یہ ناممکن تھا کہ ودیاساگر تعصب اور لفظی جھگڑوں کے بندھنوں میں بہت عرصہ رہ سکتے۔ ان کا یکا بشواش تھا کہ اس دنیا میں ایک پرماتما کا راج ہے۔ مگر اُس تک پہنچنے کا کوئی خاص رستہ نہیں۔ بلکہ مختلف راستے ہیں۔ قدرت نے اُن کی طبیعت ایسی دھارمک بنائی تھی کہ اگر کوئی شخص اُن کے سامنے ایشور پرماتما کا ذکر کرتا تھا تو اُن کا دل موم کی طرح پگھلنے لگ جاتا تھا۔ کلکتہ کی گلیوں میں ایک فقیر ایک پُر درد راگ جو ہمہ اوست کے مسئلہ سے بھرا ہوا گاتا پھرا کرتا تھا۔ ایک دفعہ وہ ودیاساگر کے مکان پر پہنچ گیا۔ اُنہوں نے اُس کو اندر بُلایا۔ جب وہ اُس گیت کو جسے کلکتہ کے ہزاروں ہندو مسلمانوں نے بے پرواہی سے سُنا تھا۔ گانے لگا تو ودیاساگر کا دل بھر آیا۔ اور اُن کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔

مذہبی بحث مباحثہ سے وہ بہت پرہیز کرتے تھے۔ یہاں تک کہ مذہب کے معاملہ میں کسی سے گفتگو بھی نہیں کرتے تھے۔ اِس وجہ سے لوگوں کا خیال ہوتا تھا کہ ودیاساگر لامذہب ہیں +

ایک دفعہ پنڈت بجے کرشن گوسوامی اُن سے بات چیت کر رہے تھے۔ اثناءِ گفتگو میں گوسوامی ایشور پرماتما اور اُس کی دیا کا ذکر کرنے لگے۔ ودیاساگر ایشور پرماتما کا نام سن کر آنسو بھر لائے۔ یہ حالت دیکھ کر گوسوامی کہنے لگے کہ میں حیران ہوں۔ آپ کو بہت سے لوگ لامذہب کہتے ہیں۔ ودیاساگر نے پوچھا کہ مجھے لوگ لامذہب کیوں کہتے ہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ میں نے کئی شخصوں کو یہ بات کہتے سنا ہے کہ ودیاساگر ایشور کے ایسے مخالف ہیں کہ اُنہوں نے اپنی کتاب بودھ اودے میں ایشور کا نام تک بھی نہیں لکھا۔ ودیاساگر نے کہا کہ اُن کی یہ رائے غلط ہے۔ آپ اُن سے کہہ دیجئے کہ وہ کتاب اب پھر چھپنے والی ہے اُس میں ایشور کا نام ضرور لکھا جائیگا +

باوجود ودیاساگر کی خاموشی کے لوگ چاہتے تھے کہ ایسے مہاں پُرش کی رائے دھرم کے متعلق دریافت کریں۔ ایک دن اُن کے دوست ڈاکٹر امولیہ چرن بوس نے بڑی ضد کی۔ اور اُن سے کہا کہ آپ کو بتانا پڑیگا کہ آپ کا دھرم کیا ہے۔ لاچار ودیاساگر نے کہا کہ میری رائے میں اگر لوگ بھگوت گیتا کے اصولوں پر چلیں تو اچھا ہے۔

جس زمانہ میں ودیاساگر کی بیباک خدمتوں کی وجہ سے اُن کا نام نامی لوگوں کی زبان پر تھا۔ اور سب چھوٹے بڑے اُن کا ادب کرتے تھے۔ چند آدمی اُن کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آپ آجکل بڑے مشہور ہیں۔ اگر آپ کوئی نیا مت چلانا چاہیں تو بڑی آسانی سے چل جائے۔ ودیاساگر نے کہا کہ میں کوئی نیا مت چلانا

نہیں چاہتا۔ دُنیا میں متوں کی کچھ کمی نہیں ہے پھر اُنہوں نے یہ کہانی سُنائی۔ کہ
ایکدفعہ دھرم راج کچہری کر رہے تھے۔ اُن کے سامنے چند آدمی پکڑے ہوئے
آئے۔ دھرم راج نے اُن سے پوچھا کہ تم فلاں دیوتا کو کیوں پوجتے تھے اُنہوں
نے کہا کہ مہاراج ہمکو تو یہ پوجا فلاں پرچارک نے سکھائی تھی۔ یہ سُن کر دھرم راج
نے اُنکو پانچ پانچ بید کی سزا دی۔ انکے بعد پرچارک پیش ہوا۔ اُس سے پوچھا گیا
کہ تمنے اُس دیوتا کی پوجا کا پرچار کیوں شروع کیا اُسنے کہا کہ مہاراج مجھے تو ودیا گر
نے پرچار کرنیکے لئے کہا تھا حکم ہوا کہ اس پرچارک کے پانچ بید اپنے واسطے اور
پانچ بید ہر ایک شخص کے واسطے جو شخص گمراہ کیا تھا لگائے جائیں۔ اس پیچھے

مجھکو بھی دھرم راج کے سامنے بلایا گیا میرے بھی پانچ بید اپنے واسطے اور پانچ
ہر ایک پرچارک کے واسطے اور پانچ پانچ ہر ایک شخص کے واسطے جس کو میرے
پرچارکوں نے گمراہ کیا تھا لگائے گئے۔ اِسلئے اب میں کوئی نیا مت نہیں نکالنا
چاہتا۔ یہ بات کہکر اُنہوں نے مہابھارت کا ایک شلوک پڑھا:۔

वेदा विभिन्नाः स्मृतयो विभिन्नाः
नासौ मुनिर्यस्य मतं न भिन्नम् ।
धर्मस्य तत्वं निहितं गुहायां
महाजनो येन गतः स पन्थाः ॥

جس کا مطلب یہ ہے کہ دھرم سے متعلق ویدوں کا آپس میں اختلاف ہے
سمرتیوں کا آپس میں اختلاف ہے۔ اور ایسا کوئی مُنی نہیں جسکی رائے
دوسرے رشیوں سے مختلف نہ ہو۔ دھرم کا راستہ ایک غار میں چھپا ہوا
ہے۔ اور راستہ وہی چلنے کے لایق ہے۔ جس پر مہاں پرش چلے ہیں

اگرچہ وِدیا ساگر کا کسی مذہبی فرقہ سے تعلق نہ تھا۔ مگر قدرتاً اُن کی طبیعت میں ایسی عمدہ خاصیتیں موجود تھیں جو اَور لوگوں کو بڑے تپ جپ سے حاصل ہوتی ہیں +

سنہ ۱۸۹۰ء میں وِدیا ساگر اور اُن کے چھوٹے بھائی شمبھو چندر اپنے پُرانے گرو کالی کانت چٹرجی کے بیٹے شاماں چرن کے گاؤں کی طرف چندر نگر سے جا رہے تھے۔ راستہ میں اُن کو ایک شخص نے اپنے گھر بلا لیا۔ اس شخص کا بیٹا جذامی تھا۔ اپنے باپ کے کہنے سے وہ لڑکا چلم بھر کر لایا۔ شمبھو چندر نے اشاروں سے وِدیا ساگر کو بہتیرا منع کیا کہ اِس لڑکے کی بھری ہوئی چلم مت پینا۔ مگر وہ کب مانتے تھے۔ فوراً اُس لڑکے سے چلم لیکر اُنہوں نے حُقّہ پینا شروع کر دیا۔ پھر وہ لڑکا کچھ مٹھائی لایا۔ وہ بھی وِدیا ساگر نے لے کر کھا لی۔ جب اُس گاؤں سے باہر آئے تو شمبھو چندر نے بہت ناراض ہو کر وِدیا ساگر سے کہا کہ آپ نے نہایت نامناسب حرکت کی کہ اُس لڑکے کی چھوئی ہوئی چلم پی لی۔ اور مٹھائی کھا لی۔ وِدیا ساگر یہ بات سُن کر افسوس کرنے لگے۔ اور کہنے لگے۔ کہ اے شمبھو اگر تم جذامی ہوتے تو کیا میں تمہاری چھوئی ہوئی چیزیں استعمال نہ کرتا؟۔

وِدیا ساگر کے ماتا اور پتا

وِدیا ساگر کہا کرتے تھے کہ دُنیا میں ماتا پتا ہمارے دیوتا ہیں ہم کو اُن کی پرستش کرنی چاہیئے۔ خوش قسمتی سے وِدیا ساگر کے ماتا پِتا

درحقیقت دیوتا ہی تھے۔ وویا ساگر نے اپنی مستقل مزاجی اور لیاقت
انتظام اپنے باپ سے ورثہ میں پائی تھی۔ اور اپنی لاثانی فیاضی اور
ہمدردی اپنی ماتا سے حاصل کی تھی اِس فیاضی اور مستقل مزاجی نے ہزاروں
بندگان خدا کی مصیبت کو دور کیا۔ کس طرح ممکن تھا کہ وویا ساگر اپنے
خدا کے بعد اپنے والدین کی پرستش نہ کرتے۔ وہ اپنی ماں کے غلام
تھے۔ کیا مجال کہ کوئی بات اُن کی ماں کہے اور وہ نہ مانیں۔ وویا ساگر
نے ایک دفعہ پوچھا کہ اے ماتا دُرگا پوجا پر چھ سات سو روپیہ خرچ کرنا
اچھا ہے یا اتنا ہی روپیہ غریب آدمیوں کی مدد کے لئے خرچ کرنا اچھا
ہے۔ ماں کا جواب صاف تھا کہ اے بیٹا اگر اتنا روپیہ غریب آدمیوں
کو دیا جائے تو دُرگا پوجا پر روپیہ لُٹانے سے بہتر ہے +

ایسے ہی دھرماتما ان کے پتا تھے وہ کہا کرتے تھے کہ ایک زمانہ تھا
جب ہم کو روٹی نصیب نہیں ہوتی تھی۔ اب پرماتما نے ہم کو دھن دیا
ہے۔ ہم کو چاہئے کہ اُس دھن سے غریبوں کو روٹی کھلادیں۔ ایسے
ماتا پتا کی سہائتا سے جو جو اچھے کام وویا ساگر نے کئے وہ پہلے معلوم ہو
چکے ہیں۔ وویا ساگر نے اپنے والدین کی بڑی بڑی تصویریں جن پر
بہت روپیہ لگا تھا کلکتہ چیندر نگر اور کرمتار کے مکانوں میں لگائی
ہوئی تھیں۔ وہ ہر روز صبح اُٹھ کر اُنہیں پرنام کرتے تھے۔ اور اپنے
کام میں اُن سے سہائتا چاہتے تھے۔ جب وویا ساگر نے بیر سنگھ میں مدرسہ
کھولا تو اس مدرسہ کا نام کوئی کچھ رکھنا چاہتا تھا۔ کوئی کچھ رکھنا
چاہتا تھا۔ مگر وویا ساگر نے اُس مدرسہ کا نام اپنی

پیاری ماں کے نام پر بھگوتی ودیالہ رکھا۔ ماتی بھگوتی اور ٹھاکرداس جی
آخیر دنوں میں بنارس آ گئے۔ وہاں اُن کی آسائش کے لئے ودیاساگر بہت
روپیہ بھیجتے تھے۔ اور جب کبھی ماتا پتا کی تکلیف کی خبر آتی تھی تو وہ خود
بنارس پہنچتے تھے ٭

جیساکہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ بنارس میں بھی ودیاساگر کی طرف سے
بہت سے غریبوں کو مدد دیجاتی تھی۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ودیاساگر یہ
خرچ اپنی مُکتی حاصل کرنے کے لئے نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اُن کی غرض
صرف یہ تھی کہ غریب آدمیوں کو کھانے اور کپڑے کی تکلیف نہ ہو۔ ایک
دفعہ بنارس میں چند برہمن اُن کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آپ کا
باپ ہم کو اتنا دان دیتا ہے آپ بھی کچھ دیجئے۔ ودیاساگر نے کہا کہ جو دان
تم نے لینا ہے وہ میرے پتا ہی سے لو۔ میرے لئے تو میرے ماں باپ
ہی اَن پورنا اور بشیشور[1] ہیں یہ کہہ کر اُنہوں نے یہ شلوک پڑھا ٭

पिता धर्मः पिता स्वर्गः
पिता हि परमं तपः ।
पितरि प्रीतिमापन्ने
प्रियन्ते सर्व देवताः ॥

اس کا یہ مطلب ہے کہ پتا ہی دھرم ہیں پتا ہی سورگ ہیں اور پتا ہی
اعلےٰ درجہ کی پرستش ہیں۔ جب پتا پرسن ہوتے ہیں تو سب دیوتا
پرسن ہوتے ہیں ٭

[1] ان پورنا اور بشیشور کے نام پر بنارس میں عالیشان مندر ہیں۔

افسوس ہے کہ جب مائی بھگوتی جی کا ۱۸۷ء میں ہیضہ کی بیماری سے انتقال ہوا اُس وقت وِدیاساگر اُن کے پاس بنارس میں موجود نہ تھے۔ اپنی ماں کے مرنے کی خبر سُن کر وِدیاساگر زار زار روئے اُن کے غم میں شاستروں کے حکم کے مطابق اُنہوں نے ایک سال تک اپنے ہاتھ سے کھانا پکایا۔ اور جوتی۔ چارپائی اور چھتری سے پرہیز کیا۔ جب اُن کی ماں کا ایکودشٹ شرادھ ہوا تو وِدیاساگر بنارس میں تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ بھگوتی دیوی براہمنوں کو کھانا کھلا کر بڑی خوش ہوا کرتی تھی۔ اسلئے اُنہوں نے چہار اشٹر براہمنوں کو کھانا کھلانے کے لئے بُلایا اور اُن کے پاؤں آپ دھوئے۔

ماں کے مرنے کے بعد وہ اپنے باپ کی خوب سیوا کرتے تھے۔ کبھی کبھی بنارس میں آجاتے تھے۔ اور جب تک وہاں رہتے تھے ان کے لئے کھانا خود پکاتے تھے۔ اور جس تھالی میں اُن کے پتا کھانا کھاتے تھے اس ہی تھالی میں اُن کے بعد آپ بھی کھاتے تھے۔

ایک دفعہ اُن کے بھائی شمبھوچندر نے کہا کہ آپ بازار میں سودا خود خریدنے نہ جایا کریں کیونکہ ہم کو اِس بات سے شرم آتی ہے۔ کہ آپ جیسے مہان پرش اس طرح بازاروں میں سودا خریدتے پھریں اُنہوں نے کہا کہ جب میں بازار میں جاؤں تو تم میرے سے علیحدہ ہو جایا کرو میں بازار سے وہ چیزیں جو میرے پتا کو چاہئیں ضرور خود خریدونگا۔ یہ کام نوکروں کے سپرد کرنا نہیں چاہتا۔

ٹھاکر داس بنرجی سمت ۱۹۳۳ مطابق ۱۸۷۶ء میں بمقام بنارس مرگئے

اُس وقت ودیاساگر بھی اُن کے پاس تھے اُنھوں نے ارادہ کر لیا تھا
کہ میں اپنے باپ کا شرادہ بنارس میں آپ کرونگا۔ مگر وہ خود بھی بہت
بیمار ہو گئے اور اُن کو بنارس سے چلے جانے کے لئے مجبور کیا گیا۔

ودیاساگر اپنے ماں اور باپ کے مرنے کے بعد اپنے گھر میں سب سے
بزرگ ہو گئے مگر ماں اور باپ کی زندگی میں جو خوشی ودیاساگر کے دل
میں تھی اب وہ بالکل نہ رہی اُن کے ماں اور باپ اُن کے ہم خیال
تھے اور کیا دان پن اور کیا بدھوا بواہ سب معاملات میں ودیاساگر کا
حوصلہ بڑھاتے تھے۔ مگر اب وہ دو نو متر ودیاساگر کو اکیلا چھوڑ گئے
ان کی استری شری متی دینومی دیوی اُن کی کسی طرح سے مددگار نہ تھی
ودیاساگر اپنے ماں باپ کے داس تھے۔ دینومی دیوی اپنی ساس
سسرے کا اُن کی زندگی میں آدر ستکار کرنا تو درکنار
ان کا نرادر کرتی تھی۔ ودیاساگر بدھواؤں کا دُکھ دیکھ
کر کانپتے تھے اور ہزاروں روپیہ اُن کا
دُکھ دور کرنے کے لئے خرچ کرتے تھے۔ بدھوا بواہ کے معاملہ میں
اُنھوں نے درحقیقت بڑا حوصلہ دکھایا۔ مگر دینومی دیوی بدھوا بواہ
کی بڑی مخالف تھی میں حیران ہوں کہ ودیاساگر نے باوجود اپنی دھرم
پتنی کی بدمزاجی اور مخالفت کے اتنی لمبی زندگی میں ایسے بڑے
اُتم کارج کس طرح کئے۔

نارائن چندر ودیاساگر کا صرف ایک ہی پتر تھا مگر ودیاساگر اُس
سے سخت ناراض تھے اور بہت عرصہ اُنھوں نے اُس کو اپنے

پاس آنے نہ دیا۔ اُن کی وصیت کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ
نارائن چندر کے گذارے کے واسطے اُنہوں نے کوئی رقم مقرر نہیں
کی۔ ممکن ہے کہ لوگوں نے باپ بیٹے کی رنجش کو زیادہ بھڑکا دیا
ہو مگر اس میں شک نہیں کہ ودیا ساگر اپنے اکلوتے بیٹے کو اپنی
مرضی کے موافق نہ دیکھ کر نہایت غمگین ہوتے ہونگے۔ آخر کار
نارائن چندر نے نہایت عجز سے ودیا ساگر کو ایک لمبی چوڑی چٹھی
لکھی جس کا یہ مضمون تھا۔ "کہ آپ دیوتا ہیں اور میں بڑا بدقسمت
ہوں کہ اپنی تقصیر سے میں نے آپ کو ناراض کر دیا۔ آپ مجھے
معاف فرماویں۔ جب میں آپ سے دور ہوں تو بیماری میں آپ
کی سیوا کس طرح کر سکتا ہوں۔ آپ کا پتر کہلانے کا کس طرح مستحق
ہوں اور میرا بیٹا اپنے آپ کو آپ کا پوتا کس طرح کہہ سکتا ہے"۔
یہ چٹھی بڑی پُر درد ہے۔ اور ظاہر کرتی ہے کہ ودیا ساگر نارائن
چندر سے بڑے ناراض تھے۔ چٹھی پڑھ کر ودیا ساگر کی محبت نے
جوش مارا اُنہوں نے نارائن چندر کو اپنے پاس بُلا لیا۔

آخری وقت [illegible]ء میں دینومی دیوی کا انتقال ہوا اور باوجود اختلاف رائے
کے اتنے پُرانے ساتھی کے علیحدہ ہونے پر ودیا ساگر نہایت غمگین
ہوئے۔ اور کہنے لگے کہ اب میرے لئے کچھ باقی نہیں رہا۔ مجھ کو بھی
رخصت ہونا چاہیئے۔ ودیا ساگر کی عمر اس وقت ۷۰ سال کی تھی۔ اب
وہ وقت آ رہا تھا کہ اُن کی روح اُن کے تھکے ہوئے جسم سے علیحدہ
ہو۔ جن واقعات کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اُن سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ

ودیاساگر کی زندگی بڑی سخت محنت کی تھی۔ بچپن میں غریبی کی وجہ سے جسم کی پرورش اچھی نہ ہوسکی تھی۔ جب بڑے ہوئے اور لاکھوں روپئے ہاتھ میں آئے۔ اُس وقت بنی نوع انسان کی تکلیفوں نے ودیاساگر کی طبیعت کو دُنیا کے آرام سے بالکل متنفر کردیا۔ وہ تکلیف اُٹھانے کے لئے ہمیشہ تیار رہتے تھے۔ جب اُن کا داماد گوپال چندر سماج پتی جوانی کی عمر میں مرگیا تو اپنی بیٹی کی دلداری کی غرض سے وہ بھی بہت عرصہ تک صرف ایک وقت کھانا کھاتے رہے۔ علاوہ ازیں اُن کی دماغی محنت کا بھی کچھ ٹھکانا نہ تھا۔ اعلےٰ درجہ کی کتابوں کا مطالعہ کرنا۔ اپنی کتابوں کا لکھنا بدھوا بواہ کا پرچار سخت مخالفت کے مقابلہ میں کرنا کالج کا انتظام کرنا معمولی کام نہیں۔ اس پر طرفہ یہ کہ اپنے رشتہ داروں سے بجائے مدد کے اُن کو بڑی تکلیف پہنچتی تھی۔ رشتہ داروں کا تو یہ خیال تھا کہ جو روپیہ ودیاساگر غیروں پر لٹا رہے ہیں۔ اگر وہ گھر میں رہتا تو گھر والوں کو فائدہ پہنچتا۔ ودیاساگر کو اس خیال سے بالکل اتفاق نہ تھا۔ اور یہ تنگدلی دیکھ کر وہ نہایت ناراض ہوتے تھے۔ ان سب باتوں سے ودیاساگر کی صحت پر بڑا خراب اثر ہوا۔ اور تعجب ہے کہ اُنہوں نے اتنے عرصہ تک سخت محنت سے اپنی قوم اور رشتہ داروں اور سرکار کی خدمت کس طرح کی +

سنہ ۱۸۶۶ء میں جب مس کارپنٹر کلکتہ میں آئیں تو ودیاساگر اُن کو کلکتہ اور گرد نواح کے گرل سکول دکھانے گئے۔ راستہ میں اُن کی

گاڑی اُلٹ گئی - اور وہ سڑک پر بیہوش ہو کر گر پڑے - اس صدمہ سے ودیا ساگر کو تکلیف ہوئی اور ایک دائمی بیماری اُن کے جسم کو لگ گئی - بڑے بڑے ڈاکٹروں کی صلاح سے وہ بہت سے مقامات میں تبدیل آب و ہوا کے واسطے گئے - سنتھال پرگنوں میں بمقام کرمتار اُنہوں نے مستقل سکونت اختیار کی - مگر اُن کو تبدیل آب و ہوا سے بہت فایدہ نہیں ہوا - ڈاکٹروں نے افیون کھانے کی رائے دی - کئی سال افیون کھائی - مگر اُس سے بھی درد کی جڑ نہ کٹی - دسمبر ۱۸۹۰ء میں اُن کی صحت نہایت خراب ہو گئی اور وہ چھ ماہ تک گنگا کے کنارے چندر نگر میں رہے - پھر کلکتہ میں آئے - ڈاکٹر ہیرا لال گھوس - ڈاکٹر امولیہ چرن بوس - ڈاکٹر کانل - ڈاکٹر بنسچ اور ڈاکٹر سالزر نے ان کے جسم کا ملاحظہ کیا سب کی یہی رائے ہوئی کہ بیماری لاعلاج ہے - باوجود سخت تکلیف اور ناامیدی کے ودیا ساگر کی طبیعت میں بڑی شانتی تھی - آہستہ آہستہ اُن کے چہرہ کی روشنی کم ہوتی گئی - آخر کار ۱۳ - ساون مطابق ۲۹ - جولائی ۱۸۹۱ء کو رات کے دو بجے ۱۸ منٹ پر اُن کی روح جسم سے علیٰحدہ ہو گئی -

ودیا ساگر کی موت کی خبر سُن کر کلکتہ میں کہرام مچ گیا - کلکتہ نے ودیا ساگر کے بڑے بڑے کارنامے دیکھے تھے - اُن کی فیاضی نے کلکتہ پر بڑے بڑے احسان کئے تھے - کلکتہ کے ماتم کی کیا حد تھی - ہزاروں طالب علم ننگے پیر اُن کے بوان کے ساتھ ہوئے - جب میٹرو

پالی ٹن کالج کے پاس پہنچے تو آخری ملاقات کے لئے اُن کا بوان کالج میں ٹھیرایا گیا اور پھر اُن کو گنگا پرلے جاکر جلایا گیا ÷

یادگار ۔ بعدازاں کلکتہ میں ایک بڑا بھاری جلسہ اس غرض سے منعقد ہوا کہ ودیاساگر کی کوئی مستقل یادگار قائم کی جاوے۔ اس موقعہ پر آٹھ ہزار روپیہ چندہ اکٹھا ہوا۔ افسوس ہے کہ جس مہاں پُرش نے قریباً ۱۲ لاکھ روپیہ اپنے ہموطنوں کی سیوا میں خرچ کیا۔ اُس کی یادگار کے لئے اتنی تھوڑی رقم اکٹھی ہوئی۔ اس روپیہ میں سے میموریل کمیٹی نے ودیاساگر کی سنگ مرمر کی مورت بنوائی۔ اور ایک بڑے جلسہ میں جس کے میر مجلس لفٹننٹ گورنر بنگال تھے۔ یہ مورت سنسکرت کالج میں رکھی گئی ÷

عورتوں نے بھی ودیاساگر کی یادگار قائم کرنے کے لئے قدم آگے بڑھایا۔ بدھوا کے کارج سے۔ بیسیوں گرل سکول قائم کرنے سے۔ کولین براہمنوں کی بیشمار شادیوں کی مخالفت سے۔ اور اپنی فیاضی سے ودیاساگر نے اچھی طرح سے ثابت کر دیا تھا کہ عورتوں کے ساتھ اُن کی ہمدردی زبانی جمع خرچ پر محدود نہیں تھی۔ تمام بنگال کی عورتیں اُن کو اپنا مہربان سمجھتی تھیں۔ عورتوں کا جلسہ بیتھون کالج کے بڑے کمرہ میں ہوا۔ اُس میں ہندو قوم کے سب فرقوں کی تعلیم یافتہ عورتیں شامل تھیں۔ مس چندرمکھی بوس ایم۔ اے نے بہ حیثیت میر مجلس اس جلسہ کے کام کو بڑی لیاقت سے سرانجام دیا۔ سولہ سو ستر روپیہ چندہ اکٹھا ہوا۔ اور بیتھون کالج کمیٹی کے پاس

اس غرض سے بھیجا گیا کہ اس روپیہ کے سود سے ایک وظیفہ مقرر کیا جائے۔ اور جو ہندو لڑکی سکول کی تیسری جماعت پاس کرنے کے بعد انٹرنس کے امتحان کے لئے پڑھنا چاہے۔ اُس کو وہ وظیفہ دیا جائے جب یہ رقم بیتھون کالج کمیٹی کے پاس پہنچی تو اُنہوں نے بھی ایک جلسہ کیا۔ جس میں لارڈ الگن وائسرائے ہند اور بڑے بڑے انگریز و ہندوستانی صاحبان موجود تھے۔ اس جلسہ میں کمیٹی کی طرف سے بیان کیا گیا کہ پنڈت ایشور چندر ودیا ساگر نے بیتھون صاحب کو بیتھون سکول قائم کرنے میں بڑی مدد دی تھی۔ اور جب تک ودیا ساگر زندہ رہے وہ اُس سکول کے دلی خیر خواہ تھے۔ اس لئے نہایت خوشی کی بات ہے کہ کلکتہ کی ہندو عورتوں نے یہ روپیہ ودیا ساگر کی یادگار میں اکٹھا کیا ہے۔ کیونکہ ودیا ساگر نے سوا اور عمدہ کاموں کے بنگال میں بڑی کوشش سے استری شکشا پھیلائی تھی۔ اور وہ درحقیقت تعلیم یافتہ عورتوں کے شکریہ کے مستحق تھے +

میٹروپالی ٹن کالج میں بھی اُس کے قائم کرنے والے کی یادگار میں دو وظیفے جن کو ودیا ساگر سینیر سکالرشپ کہتے ہیں۔ ان طالب علموں کو دئے جاتے ہیں جو اُس کالج میں بی۔ اے آنرز کے امتحان میں سب سے اونچے رہے ہیں۔ اور ایم۔ اے کی جماعت میں داخل ہوں۔ ایک وظیفہ ۳۰ ماہوار اور دوسرا ۲۵ ماہوار کا ہے۔ یہ وظیفے صرف ایک سال کے لئے ملتے ہیں۔ اسی طرح دو ودیا ساگر جونیر سکالرشپ ہیں۔ جو اُن طالب علموں کو دئے جاتے ہیں جو ایف اے کے امتحان

میں اُس کالج میں اول رہ کر بی ۔ اے کلاس میں داخل ہوں - یہہ وظیفے دو سال تک دئے جاتے ہیں اور دس دس روپیہ ماہوار کے ہیں +

بہت سے سکولوں میں ودیاساگر کے مداحوں کی کوشش سے اُن کی تصویر رکھی گئی ہے اور اُن کے نام پر وظیفے اور تمغے دئے جاتے ہیں +

ودیاساگر کا انتقال ساون کی ۱۳ تاریخ کو ہوا تھا۔ آئے سال اُس تاریخ کو کلکتہ میں بنگالیوں کے سکول اور کالج کو بند کئے جاتے ہیں - میٹروپالی ٹن کالج کے طالب علم کئی ہزار غریبوں کو کھانا تقسیم کرتے ہیں - اور شہر کے مختلف حصوں میں ودیاساگر ریڈنگ کلب - میٹروپالی ٹن ڈبی بیٹنگ کلب اور دیگر سبھاؤں کی طرف سے جلسے ہوتے ہیں - جن میں اس مہاں پرش کے ہموطن اس کے کارناموں کو یاد کر کے اُس کے نام نیک پر پھول برساتے ہیں +

خاتمہ

جو بزرگ دھرم کا پرچار کرتے ہیں اور لوگوں سے درخواست کرتے ہیں کہ دھرم کے راستہ پر چلو اُن کی یہی غرض ہوتی ہے کہ لوگ اپنے پرماتما کو یاد کریں۔ پاپ سے بچیں۔ ماتا پتا کی سیوا کریں۔ اپنے پروار کی رکشا کریں۔ روزمرہ کے بیوہار میں ایک دوسرے سے بے انصافی نہ کریں۔ اور اپنی کوشش کو صرف اپنے رشتہ داروں کے آرام تک محدود نہ کریں۔ بلکہ بیکسوں کی بھی مدد کریں۔ اگر ہم فروعات کو نظر انداز کر کے دُنیا کے مذہبوں کی طرف دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان سب کی تعلیم کا لب لباب یہی ہے۔ اگر انسان اس تعلیم پر عمل کریں تو دنیا کی حالت بہت اچھی ہو جائے۔ کیونکہ اس میں کچھ شک نہیں کہ ادھرم کی وجہ سے دنیا میں بہت دُکھ پھیلتا ہے۔ اسلئے جو لوگ جائز طور سے روپیہ پیدا کرتے ہیں اور اپنی دولت سے نہ صرف آپ فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ بلکہ ہزاروں لاکھوں روپئے خرچ کر کے اپنے ہموطنوں کو کھانا کپڑا دیتے ہیں۔ اور سکول اور کالج قائم کر کے اُن کی دماغی تاریکی دور کرتے ہیں۔ وہ بلاشبہ دھرم کے راستہ پر چلتے ہیں اور اُن کی پاکیزہ اور اعلےٰ زندگی دیکھ کر دھرم کے پرچارکوں کو پرماتما کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔ ایسا ہی جو لوگ ملک کیلئے پولٹیکل ترقی چاہتے ہیں۔ ان کا مطلب بھی یہی ہوتا ہے کہ اُن کے ملک کے لوگ فارغ البال

ہوں۔ اُن پر کسی طرح کا ظلم نہ ہو۔ دوسری قومیں اُن کی عزت کریں۔
اور اُن کی ترقی میں سدِ راہ نہ ہوں۔ موجودہ زمانہ میں ہندوستان
کی پولٹیکل ترقی کا بہت سا حصہ انگروں کی مہربانی پر منحصر ہے۔ مگر
یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ کوئی ملک اور کوئی انسان جب تک وہ آپ
اپنی مدد نہیں کریگا۔ دوسروں کی مدد سے کچھ فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔
اسلئے جو لوگ اپنے ہموطنوں کو تعلیم اور روپے سے مدد دیکر فارغ البال
بننے کے لایق بناتے ہیں۔ اور اپنی محنت کشی اور عالی ہمتی کی عمدہ
مثال سے ان کا حوصلہ بڑھاتے ہیں۔ وہ بے شک پولٹیکل ترقی
کے مدعا کو پورا کرتے ہیں۔ دھرم کے پرچارک اور خیر خواہان قوم
اگر اس دریا دلی کا اندازہ کریں جس کی بدولت ودیا ساگر نے ملک
میں تعلیم پھیلائی۔ بدھو بواہ کے کام کو ترقی دی۔ مفلسوں اور بیماروں
کی مدد کی۔ تو اُن کو ماننا پڑیگا کہ یہ مہاں پرش اعلےٰ درجہ کا دھرماتما
اور اپنے ملک کی پولٹیکل ترقی کا سچا مددگار تھا۔ اگر یہ مقولہ کہ عمدہ مثال
عمدہ نصیحت سے بہتر ہے کچھ معنی رکھتا ہے۔ تو ہندوستانیوں کو
ودیا ساگر کی زندگی سے یہ سبق ضرور حاصل کرنا چاہیئے کہ صرف
دھرم دھرم پکارنے سے کوئی شخص دھرماتما نہیں بن سکتا۔ دھرماتما
بننے کے لئے انسان کی عملی زندگی دھرم کے اصولوں کے مطابق
ہونی چاہیئے۔ اور ہمارے ملک کی پولٹیکل ترقی کے لئے پُر زور تقریروں
ہی کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ ہم اپنے
روزمرہ کے برتاؤ میں اپنے ہموطنوں سے محبت کریں۔ اُن کی عزت کریں

اور اُن کی تکلیفوں کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ کیا دھرم بھاؤ۔ اور پولٹیکل خیر خواہی ظاہر کرنے کے لئے ہندوستان میں موقع نہیں ہے اس ملک کی افلاس کی طرف دیکھئے غریب اور امیر تو سب مُلکوں میں ہوتے ہیں۔ مگر یہاں کا باوا آدم ہی نرالا ہے۔ معمولی طور پر لاکھوں آدمیوں کی حالت ایسی ہے کہ بیچاروں کا مشکل سے گذارہ ہوتا ہے۔ اگر قحط ہو جائے تو سرکار اور رعایا دونوں کے ہوش مارے جاتے ہیں۔ ہزاروں شریف مرد اور عورتیں بھوکی مرتی ہیں۔ مگر کیا مجال کہ گھر سے باہر قدم نکالیں۔ اور کسی سے سوال کریں۔ لاکھوں کنگال بھارت ہاشی گھر بار چھوڑ کر در بدر بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔ بھوک کے مارے بچّوں کو بیچ ڈالتے ہیں۔ یا چھوڑ دیتے ہیں۔ مذہب کو بدلتے ہیں۔ اور سینکڑوں ذلتیں اُٹھاتے ہیں۔ مگر اُن کا پیٹ نہیں بھرتا۔ ع

پراگندہ روزی پراگندہ دل

بھیک مانگنے والوں کی حمیت خاک میں مِل جاتی ہے۔ اور اُنکا حوصلہ پست ہو جاتا ہے۔ پولٹیکل ترقی کا خیال مفلسوں کے دل میں کس طرح پیدا ہو سکتا ہے۔ اسلئے جو لوگ چاہتے ہیں کہ ہمارا ملک پولٹیکل ترقی کرے اور لوگ فارغ البال ہوں اُن کو سب سے پہلے اس بات کا انتظام کرنا چاہیئے کہ یتیم خانوں کے علاوہ حرفت اور صنعت کے کارخانے کھولے جائیں۔ تاکہ لوگ کچھ سیکھ کر اپنی روزی کمانے کے لایق بنیں *

جہاں ہم انگریزوں کی بانکپن کی نقل کرتے ہیں۔ ہم کو ان کی عالی ہمتی

پر بھی غور کرنا چاہئے۔ انگلینڈ میں ایک بزرگ شخص ڈاکٹر برنارڈو نامی ہے۔ اس نے یتیم خانہ کھولا ہوا ہے۔ فیاض انگریزوں کی مہربانی سے ڈاکٹر مذکور نے ہزاروں کنگال اور یتیم لڑکے لڑکیوں کو اپنے یتیم خانہ میں تعلیم دی ہے۔ اور نیک معاش بنا کر دنیا کے کاروبار میں داخل کیا ہے ڈاکٹر برنارڈ کا اخبار "نائٹ اینڈ ڈے" یعنی رات اور دن ظاہر کرتا ہے۔ کہ یتیم خانہ میں داخل ہونے سے پیشتر اُن بچوں کی حالت رات کی طرح بھیانک ہوتی ہے۔ مگر وہاں تعلیم پا کر اُن کی زندگی روز روشن کی طرح خوب صورت ہو جاتی ہے۔

ایک اور شخص ڈاکٹر کیمبل نے جو خود اندھا ہے لنڈن کے حصہ نارووڈ نامی میں اندھے لڑکے لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کے لئے ایک اعلےٰ درجہ کا کالج کھولا ہوا ہے ۱۸۷۲ء میں اس کی بنیاد ڈالی گئی تھی کالج مذکور میں اندھے لڑکے لڑکیوں کو کل کے گھوڑے پر سیر کرنا۔ دریا میں تیرنا۔ کشتی چلانا۔ اور بہتیرے کرتب علاوہ موسیقی اور دیگر علوم کے سکھائے جاتے ہیں۔ فیاض انگریزوں نے ۱۸۷۱ء سے ۱۸۹۵ء تک بیس لاکھ روپیہ اس کالج کی مدد کے لئے دیا ہے۔

جنرل بوتھ جو مکتی فوج کے رکن اعظم ہیں۔ اپنی کوشش سے ہزاروں کنگال اور بدچلن مرد اور عورتوں کو نیک معاش بنا رہے ہیں جب انگلینڈ جیسے امیر ملک میں غریبوں کی مدد کے لئے اس قدر سخت کوشش کی ضرورت ہے تو ہندوستان جیسے براعظم میں افلاس کا دُکھ دور کرنے کے لئے کیا کچھ کوشش نہیں ہونی چاہئیے۔ ایک کیا

ہم کو ودیا ساگر جیسے سینکڑوں رحم دل امیروں کی ضرورت ہے۔ ہندوستان میں نہ صرف دولت کی کمی ہے بلکہ ودیا کی بھی کمی ہے۔ سو برس سے انگریزوں کی مہربانی سے مدرسے قائم ہیں۔ مگر دس فیصدی سے زیادہ تعداد تعلیم یافتہ آدمیوں کی نہیں جس زمانہ میں ودیا ساگر نے تعلیم پھیلانے کا کام ہاتھ میں لیا اُس وقت لوگوں کے دل میں تعلیم کا شوق بہت کم تھا۔ بڑے بڑے انعام دیکر لڑکوں کو مدرسوں میں پڑھاتے تھے۔ آجکل سب لوگ پڑھنا چاہتے ہیں۔ مگر سرکاری مدرسوں کا خرچ برداشت نہیں کر سکتے۔ اگر ہمارے راجگان اور سیٹھ ساہوکار جو شادی غمی کے موقع پر لاکھوں روپے ضائع کرتے ہیں۔ فضول خرچی چھوڑ کر اپنی دولت کا کچھ حصہ سکول اور کالج قائم کرنے میں صرف کریں تو ملک کو کس قدر فائدہ ہو۔ مگر افسوس ہے کہ ہمارے بہت سے امیر آدمی جو لاکھوں روپیہ خرچ کر سکتے ہیں۔ اپنے ملک کی گری ہوئی حالت سے غافل ہیں۔ اور تعلیم کی ضرورت کو محسوس نہیں کرتے۔ تعلیم پھیلانے کا کام مجبوراً متوسط درجہ کے آدمیوں نے سنبھالا ہے۔ یہ جوانمرد بڑی ہمت سے قومی اندھیرے کو دور کرنے کے لئے اپنوں اور بیگانوں سے چندہ اکٹھا کر کے کالج اور سکول کھولتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے ملک کے سچے خیر خواہ ہیں۔ اور ہم جس قدر اُن کا شکریہ ادا کریں تھوڑا ہے۔ کیونکہ جس طرح دنیا کی آسائش کے لئے سورج کی گرمی اور روشنی کی ضرورت ہے۔ اسی طرح انسان کی ترقی کے لئے تعلیم کی ضرورت

ہے۔غریب لوگوں کو کھانا کپڑا دینا۔ سکول اور کالج قائم کرنا۔
سوشیل ریفارم کی مدد کرنی بڑے عمدہ کام ہیں۔ مگر کیا آپ سمجھتے
ہیں کہ ہر ایک شخص یہ کام ٹھیک طور سے کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔
ان کاموں کو صرف وہ شخص کر سکتا ہے۔ جس نے اپنی نفسانیت
کو فنا کر دیا ہو۔ اور جس نے اپنی گری ہوئی حالت دیکھکر پکا ارادہ کر لیا
ہو کہ میں اپنے گمراہ ان پڑھ نردہن اور نربل ہموطنوں کا غلام ہو کر
رہونگا۔ اور اپنی دولت عقل اور ہمت کو ان کی سیوا میں لگاؤنگا
یہ قربانی ہر ایک شخص کے لئے مشکل ہے۔ ہم اگر چندہ اکٹھا کر کے
یا اپنی جیب سے روپیہ دیکر کسی جگہ چھوٹا سا سکول قایم کر دیتے ہیں
یا کسی غریب لڑکے کی تعلیم میں سو پچاس روپئے سے مدد دیتے
ہیں تو ہماری شیخی کا ٹھکانا نہیں رہتا اپنی بزرگی کے نشے میں ہم
امید کرنے لگتے ہیں کہ اس کار عظیم کے بدلے کل کائنات ہم کو
سجدہ کرے۔ کاش اگر ہم لوگ چھوٹے چھوٹے دان کرتے وقت
ان مہاپرشوں کا خیال کر لیا کریں جو لکھو کہا روپیہ دان پن میں
اور سکول یا کالج قایم کرنے کے لئے دیتے ہیں۔ تو ہم سمجھ جائیں
کہ ہمارا دان درحقیقت ایسا غیر معمولی نہیں۔ کہ ہم اپنے آپ کو
دوسروں سے اونچا خیال کریں۔ جو شخص اپنی توفیق کے بموجب
تھوڑی یا بہت خیرات کرتے ہیں انکا عمل بیشک قابل تعریف ہے
مگر اُن کو اپنی طبیعت میں انکسار رکھنا چاہیئے

اگر ہم دویا ساگر کی زندگی کے مختلف واقعات پر غور کریں تو ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ انسان

کی محبت اُن کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ پرمیشور نے
اُن کو لاکھوں روپیے دئے تھے مگر ممکن نہ تھا کہ وہ کسی غریب یا
چھوٹے درجہ کے آدمی کو حقارت سے دیکھیں۔ دیا کا سمندر اُن
کی دل میں اس قدر گہرا تھا کہ جہاں کہیں وہ کسی شخص کو دُکھ میں
دیکھتے تھے تو بے اختیار ہو جاتے تھے اور جس طرح سے ہو سکتا
تھا اوس کی مدد کرتے تھے۔ ہر ایک شخص دیا ساگر نہیں بن
سکتا مگر ہندوستانیوں کو تو اتنی عقل بھی نہیں کہ اگر روپئے سے
اپنے ہم وطنوں کی مدد نہ کریں تو کم سے کم اُن کے ساتھ سیدھے
مُنہ سے تو بولیں اور خوش اخلاقی سے پیش آدیں۔ ہم نے بہت سے
معزز بھائیوں سے سُنا ہے کہ ہندوستانی کسی عزت کے مستحق
نہیں ہیں۔ بھلا صاحب انگریز تو یہ کہہ سکتے ہیں۔ مگر کسی ہندوستانی
کا کیا حق ہے کہ وہ اپنے ہم قوم آدمیوں کو حقارت سے دیکھے؟
ذرا انگریزوں کی طرف تو دیکھئے۔ چاہے اور قوموں کے ساتھ ان
کا کیسا ہی سلوک ہو اپنے ہم قوم لوگوں کی کتنی عزت کرتے
ہیں اور اُن کو آرام پہونچانے کی کس قدر کوشش کرتے ہیں۔
کیا مجال کہ کسی ملک میں کسی انگریز کو تکلیف ہو جائے۔ انگلینڈ
کا تمام زور اوس کی حفاظت کے لئے تیار رہتا ہے۔ بڑے بڑے
لارڈ اور لیڈیاں کاروبار چھوڑ کر اپنا قیمتی وقت اور لاکھوں
روپیہ اپنے ملک کی سیوا میں خرچ کرتے ہیں۔ ہم نے انگریزوں
کی خود پسندی تو اچھی طرح سے سیکھ لی ہے۔ مگر اُن کی اعلےٰ

صفات کا ہمیں خواب و خیال بھی نہیں - انگریز لوگ اپنی
قوم پر قربان ہونے کے لئے تیار ہیں - مگر ہم قومیت کی موٹی
باتوں سے بھی واقف نہیں - میونسپل کمیٹوں ریل کے اسٹیشنوں
ہسپتالوں اور عدالتوں میں ہندوستانی افسر اور کار وار جس
بداخلاقی سے اپنے ہموطنوں کے ساتھ پیش آتے ہیں وہ سب
کو اچھی طرح سے معلوم ہے - مگر جب کسی ہندوستانی افسر کے سامنے
کوئی اہل غرض انگریز آجاتا ہے - تو وہ افسر فوراً موم ہو جاتا ہے
بیچارہ کیا کرے اوس نے تو اپنے ہموطنوں پر ہی سختی کرنی سیکھی
ہے - بڑے بڑے آدمی پبلک میں قوم قوم کا نعرہ بلند کرتے
ہین - مگر کیا مجال ہے کہ ہمارے لیکچرار صاحب نج پر کسی چھوٹے
درجہ کے آدمی کے ساتھ مہربانی سے پیش آدین - گھر میں تو وہ
ناک پر مکھی بیٹھنے نہیں دیتے - اگر کوئی شخص اُن کو اپنی گری
ہوئی قوم کا خیر خواہ سمجھکر کسی معاملہ میں اُن کی رائے دریافت
کرے - تو یہ صاحب خط کا جواب دینا ہی کسر شان سمجھتے ہیں -
بے شک غلامون کا یہی شیوہ ہے -

قومی محبت تھوڑے ہی آدمیوں میں پائی جاتی ہے ورنہ ممکن نہ تھا کہ ہمارے لوگ
جو رفاہِ عام کے کاموں میں مشغول ہیں - آپس میں لڑتے جھگڑتے
رہیں - اگر انہوں نے دہرم پھیلانے کا بیڑا اوٹھایا ہے - تو ان
کو سوا اپنی ذات یا فرقہ کے اور سب گنہگار نظر آتے ہیں - آپ
کسی مذہبی فرقہ کا اخبار لیکر پڑہیں تو معلوم ہوگا - کہ اس میں

بدمذہبی کا کتنا زور ہے - اور پریم اور دیا بھاؤ کا کتنا ناش کیا جاتا ہے - اگران اخبار والوں اور اُن کے طرفداروں کا زور چلتا تو پُرانے زمانے کے جہاد ہمارے ملک میں قایم ہو جاتے اور معاملات میں بھی یہی حال ہے - ہم لوگ ذراسی اختلاف رائے پر اچھے اچھے کاموں کو بگاڑ دیتے ہیں - اور ظاہر کرتے ہیں کہ درحقیقت ہم کو کسی عمدہ کام سے پیار نہین - بلکہ اپنی ضد سے پیار ہے - کاش کہ ہم شور کم مچاویں اور کام زیادہ کرین - اعلیٰ درجہ کی قربانی کرنے والے لوگ ودیاساگر اور میزینی وغیرہ وغیرہ اپنے وقت پر پیدا ہوتے رہیں گے - مگر ہم چھوٹے چھوٹے آدمی اگر دوسروں کی مدد نہ کرین کم سے کم اتنا تو کر سکتے ہیں کہ اپنے ہم وطنوں کو اپنا بھائی سمجھیں - ادن کی بے عزتی نہ کرین - اور اُن کے ساتھ مہربانی سے پیش آدین - سچی حب الوطنی کا یہی راستہ ہے - سچے دہرم کا یہی حکم ہے ✠